نورُ الرحمٰن

ترجمہ و تلخیص کتاب

انوارُ الرحمٰن

من تصنیف

حقیقت آگاہ طریقت دستگاہ مولوی محمد نور اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

لالہ زار پبلی کیشنز، نیو یارک

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

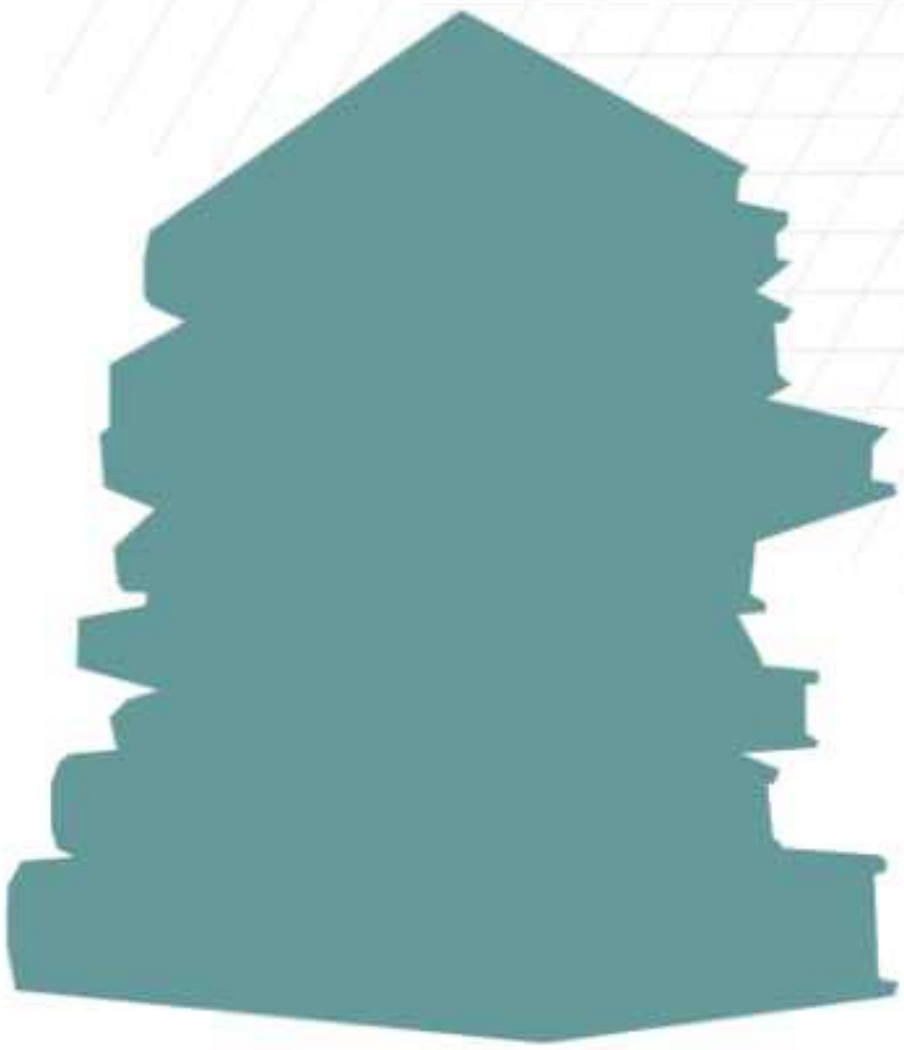

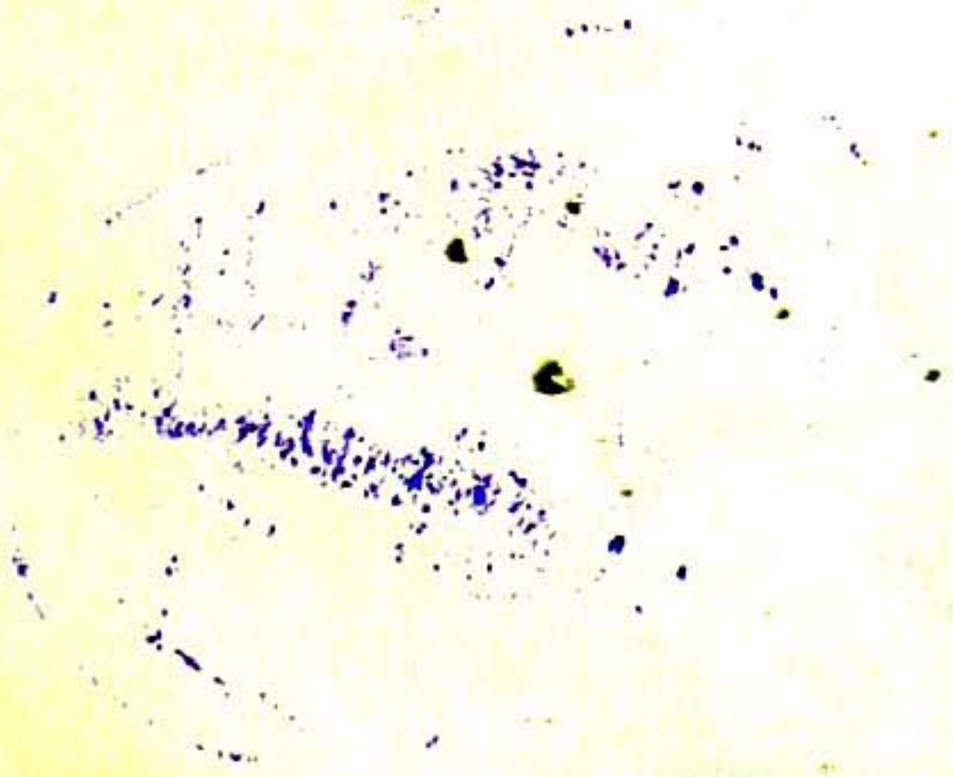

نور الرحمٰن

(ترجمہ و تلخیص کتاب انوار الرحمٰن مصنفہ مولوی نور اللہ صاحبؒ)

از

مولوی نور الرحمٰن

© اسدالرحمٰن ۱۹۹۹ء

128281

Asad-ur-Rahmn
57 Montague Street Apt 2A
BrookLyn
New York 11201
E-mail : LALAZAAR @ AOL.COM

ملنے کا پتہ:۔

۱۔ جناب قاری عتیق الرحمٰن صاحب — درگاشاہ عبدالرحمٰن صاحبؒ ڈیوڑھی آغا میر۔ لکھنؤ
۲۔ اسدالرحمٰن صاحب — ۵۷ مونیگ اسٹریٹ، بروک لین۔ نیویارک ۱۱۲۰۱
۳۔ افضال الرحمٰن — ۲۷۲۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ — جامعہ نگر۔ نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

پہلی بار: ۱۹۴۹ء — تعداد ۱۰۰۰
دوسری بار: ۱۹۹۹ء — تعداد ۵۰۰ — قیمت ۶۰/-

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاوس۔ دریا گنج، نئی دہلی میں طبع ہوئی۔

آتش بہ جگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست
خوننابۂ دل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
درکنز وہدایہ نتواں یافت خدارا
سیپارۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

فہرست مضامین

۱۔ عرضِ ناشر	۷
۲۔ پیش لفظ	۹
۳۔ ایک خط	۱۱
۴۔ سوانح حیات	۱۵
۵۔ مکارم اخلاق	۳۱
۶۔ مسلۂ توحید	۵۱
۷۔ احوال مولوی نوراللہؒ صاحب	۵۶
۸۔ ارشادات	۶۹
۹۔ وفات	۸۷
۱۰۔ خلفائے کرام	۹۹
۱۱۔ صاحبان سجادہ	۱۲۳
۱۲۔ شجرہ	۱۳۸

عرض ناشر

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی اور چند ہی سال میں نایاب ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد ایک صاحب نے اس کو الہ آباد سے شائع کیا لیکن کتابت کی کمزوریوں کی وجہ سے مقبول نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ سجادہ نشین، درگاہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ کی خواہش تھی کہ "نورالرحمٰن" دوبارہ صحت کے ساتھ چھاپی جائے۔ اب ان کے وصال کے بعد ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے دوبارہ شائع کی جارہی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اس کتاب میں صرف یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ ارادت کے مضمون کو کتاب انوارالرحمٰن سے جو کہ فارسی میں ہے اخذ کر کے اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ ایک تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ وحدانیت کے باب میں وحدت الوجود کے ثبوت کی بحث مولوی نوراللہ صاحبؒ کے مقدمہ نورِ مطلق میں فارسی میں تھی۔ اس کی جگہ اس کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے تاکہ ہر خاص و عام اس سے مستفید ہو سکے۔ فارسی سے اردو ترجمہ جناب پروفیسر شعیب اعظمی نے کیا ہے جو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں فارسی کے استاد ہیں. میں ان کا انتہائی مشکور ہوں۔

اس کتاب کا نام نورالرحمٰن اس طرح قرار پایا کہ میرے والد مولوی نورالرحمٰن صاحب مرحوم نے ۱۹۴۹ء میں اپنے جدامجد مولوی نوراللہ صاحبؒ کی کتاب "انوارالرحمٰن" کی تلخیص کی اور اس کا اردو ترجمہ کیا، جیسے کہ وہ پیش لفظ میں خود بیان فرماتے ہیں "جمع انوار کو مختصر کیجئے تو نور ہوتا ہے اور چونکہ کتاب حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ سے متعلق ہے اس لیے "نورالرحمٰن" کتاب کا نام قرار پایا" چونکہ میرے والد کا نام کتاب کے نام میں آگیا۔ اس لیے بحیثیت مصنف انہوں نے اپنا نام نہیں لکھا۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بعض حضرات کو مترجم کا نام نہ ہونے پر اعتراض تھا۔

اس کتاب کے دوبارہ شائع ہونے میں حضرت شاہ قاری عتیق الرحمٰن صاحب، سجادہ نشین

درگاہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ نے میری بہت ہمت افزائی فرمائی اور مجھے سہارا دیا جس کا میں احسان مند ہوں۔ جناب مولانا عبدالقادر صاحب رحمانی نے طباعت سے قبل مسودہ پر نظر ثانی فرمائی اور ضروری تصریحات فرمائیں جس کے لیے میں بیحد مشکور ہوں۔ میرے چچا جناب محمد طیب صاحب قبلہ نے انتہائی دلچسپی اور کاوش کے ساتھ کتاب کے چھپنے کے مراحل میں میری مدد فرمائی۔ میں اپنے چچازاد بھائی افضال الرحمٰن صاحب کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے بڑی لگن اور محنت سے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔ ان ہی کی ہمت، کاوش اور استقلال کا نتیجہ ہے کہ "نورالرحمٰن" چھپ کر آپ کے سامنے آگئی۔

اسدالرحمٰن

نیویارک
۲۵/ ستمبر ۱۹۹۸ء

پیش لفظ

یہ کتاب نہ کوئی نئی تصنیف ہے اور نہ تالیف، بلکہ ایک کوشش ہے کہ کتاب، انوار الرحمٰن مصنفہ مولوی نور اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا اُردو ترجمہ اور تلخیص آسان اور عام فہم زبان میں پیش کیا جائے۔ ترجمہ اس اعتبار سے کہ انوار الرحمٰن فارسی زبان میں ہے اور تلخیص اس اعتبار سے کہ اس کتاب میں انوار الرحمٰن کے اکثر ابواب اور بعض مضامین بالکل نظر انداز کر دئے گئے ہیں اور صرف ایک باب حکایت کا انتخاب کیا گیا ہے، لیکن جن مضامین اور ابواب کو شامل کیا گیا ہے ان میں انوار الرحمٰن کے الفاظ اور اسکی ترتیب کو بجنسہ قائم رکھا ہے۔

انوار الرحمٰن ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۸ء میں پہلی بار شائع ہوئی اور اُس کے بعد بار بار اشاعت کی نوبت آئی کتاب کی تصنیف کو سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس صنف میں اس سے زیادہ جامع و مکمل اور علمی اعتبار سے مستند نیز ترتیب کے لحاظ سے بلند و برتر کوئی تصنیف اُس وقت تک نہیں ہوئی تھی موجودہ زمانہ میں جو ملفوظات اُردو میں شائع ہوئے ہیں ان کی عمارت اُن ہی بنیادوں پر رکھی گئی ہے جو انوار الرحمٰن نے قائم کر دی ہیں، یہاں تک کہ عنوانات اور مضامین کی ترتیب بھی وہی ہے اور اسلوب بیان بھی وہی اختیار کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا موضوع مولانا شاہ عبدالرحمٰن موحد لکھنوی قدس سرہ کے حالات زندگی اور اُن کے ملفوظات ہیں اور اس کی اشاعت کا سبب یہ ہے کہ انوار الرحمٰن فارسی زبان میں ہے۔ اس وجہ سے ہر شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ دوسرے یہ کہ حضرت مولانا نے اپنی تعلیمات کے لئے بلا تفریق مذہب و ملت عام انسانوں کو مخاطب بنایا اور اُن ہی میں اپنی زندگی

گزاری لیکن اب حال یہ ہے کہ یہ ہی عام انسان اُن کے حالاتِ زندگی اور تعلیمات سے بے بہرہ ہیں، اس کتاب کی اشاعت سے امید ہوتی ہے کہ شاید یہ کمی ایک حد تک پوری ہو جائے۔

چونکہ اس کتاب کے تمام مضامین، خیالات و افکار سراسر انوار الرحمٰن سے ماخوذ ہیں اس لئے اس کا نام نور الرحمٰن رکھا گیا۔

نور الرحمٰن

بچھراؤں ضلع مُراد آباد

یکم ستمبر ۱۹۴۹ء

ایک خط

از جناب مولانا حامد حسن صاحب قادری مدظلہ

کتاب مکمل ہو چکی تھی کہ جناب مولانا حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج، آگرہ کا وہ خط جو انوار الرحمٰن کے مطالعے کے بعد تحریر فرمایا موصول ہوا۔

مولانا قادری بلند پایہ مصنف ہیں اور اگرچہ علمی دنیا میں آپ کی شہرت بے مثل ادیب و نقاد کی حیثیت سے ہے لیکن اس کے علاوہ مولانا کا علمی تبحر اور وسعت نظر اس دور میں مغتنمات سے ہے آپ کی ذاتِ گرامی علم و یقین کا مظہر اور آپ کی سیرت بندگانِ سلف کی یاد دلاتی ہے۔ دقیق مسائل اور دشوار مضامین کی آسان الفاظ میں ایسی وضاحت کرنا جو ذہن نشین ہو جائے، مولانا قادری کی خصوصیت ہے۔ اس خط میں مسئلہ وحدت وجود کو ایسے ہی طرز میں پیش کیا گیا ہے جو ذہن کو بسہولت مسئلہ کی حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

"انوار الرحمٰن کا مجھے ہمیشہ سے علم تھا، اور یہ بھی علم تھا کہ کالج میں موجود ہے لیکن کبھی دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ اس طرف توجہ ہی نہ ہوئی، ورنہ مجھے اس موضوع سے بڑی دلچسپی ہے۔ اس کے ساتھ ہی نغمۂ عشاق چھپی تھی۔ میں نے اس کی تاریخ کہی تھی نغمۂ قدسیاں (۱۳۲۰ھ) والد مرحوم نے مصرعے لگا کر چھپوا دئے تھے۔

یہ بات اڑتالیس برس سے یاد ہے۔ اب آپ کا خط دیکھ کر کالج سے انوار الرحمٰن لے آیا اور دیکھنی شروع کر دی مسئلہ وحدت الوجود کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا اس لئے کتاب کو نور رابع سے شروع کیا جہاں سے وہ مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ اور پھر وہاں سے آخر کتاب تک دیکھتا ہی چلا گیا، نہایت عجیب کتاب ہے۔ بالکل بے نظیر پڑھنے، سمجھنے، یاد رکھنے کے قابل۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ العزیز کالقب موحّد ہمیشہ سے سنتا یاد ہے مگر میں اس لقب کے یہی معنی سمجھتا تھا کہ مولانا صاحبؒ کا یہ مسلک تھا اور اس حال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ "حال" اُن کا "مقام" تھا۔ مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ بقول اقبال کے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی طرح وحدت الوجود کے اَن تھک مفسر تھے۔ اب ان کی تفسیر و تشریح پڑھ کر بڑا لطف آیا۔ بلاشبہ حضرت مولاناؒ بہت بڑے عالم تھے۔ مشہور ہے کہ یک من علم رادہ من عقل باید۔ میں یہ کہتا ہوں کہ صد من ذکاوت و فراست ہم باید مولانا یہی رسائی ذہن رکھتے تھے۔ کمال کا احاطہ کیا ہے اور عجیب نکتے پیدا کئے ہیں۔ میں نے شیخ اکبر کی فصوص الحکم نہیں دیکھی، اس کے دلائل اردو فارسی میں دیکھے ہیں۔ حضرت مولانا الموحد قدس سرہ کی ہمہ دانی، ہمہ گیری عجیب و غریب ہے۔ اس مسئلے کے موجدوں اور مفسروں نے اس قدر وسعت نہ دی تھی۔ مولوی نوراللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کا یہ دعویٰ بالکل مدلّل و مبرہن ہے کہ نحو و معانی و بلاغت کے مطابق اس مسئلے کو بیان کیا گیا ہے۔ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کا حضرت مولانا نے جیسا احاطہ کیا ہے، عجیب کمال ہے، اور لاریب کہ یہ قال بغیر حال کے میسر نہیں آسکتا۔ شیخ اکبر حال میں سب کچھ ہوں گے مگر قال میں یہاں تک نہ پہنچے تھے۔ میں نے مولانا محبّ اللہ صاحب الہ آبادی کے حالات اور ان کا اس مسئلے میں بیان دیکھا ہے۔ حضرت مولانا اُن سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔ مولانا عطارؒ بالکل فنافی الوحدۃ تھے اور اس میں ان کا قال بھی ہے مگر وہ قال بھی حال ہی ہے۔ اس قال پر دلائل قائم نہیں کئے، طرح طرح سے حال ہی بیان کیا ہے۔

حضرت مولانا نے اعتراضوں کے جواب ایسے دیئے ہیں کہ جواب نہیں۔ کتاب کا نام "کاسرۃ الاسنان"[1] (دندان شکن) شاید مولاناؒ نے اس لئے رکھ دیا کہ نام ہی سے جواب کی تمہید شروع ہو جائے۔ نام سے قطع نظر جواب ایسی ذکاوت و فراست کا مظہر ہیں کہ بعض جوابوں پر میں تو حیران رہ گیا۔ کسی علمی و ادبی مسئلہ کے حل میں اور کسی شعر کی تشریح میں وہ مزا نہیں آیا جو مولانا کی رسائی ذہن میں آیا۔

میں اس جواب پر اور آیت کلام مجید کی اس تشریح پر پھڑک گیا۔ کہاں ذہن پہنچا اور کیا

---

[1] رسالہ کاسرۃ الاسنان غیر مطبوعہ ہے لیکن اس کا حوالہ انوار الرحمٰن میں دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر مولانا کی دوسری کتاب کلمۃ الحق مطبوعہ موجود ہے۔

بات پیدا کی اس لئے کہ تفسیروں میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سن کر کہا، لو اور سنو، اتنے معبودوں کا ایک معبود کر دیا! ہم تو ان سب کو معبود مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں معبود ایک ہے بہت سے معبود نہیں ہیں۔ اس آیت کے بے شک یہ معنی ہو سکتے ہیں اور اگر ذہن وحدت الوجود کی بحث سے خالی ہو تو ہر شخص آیت کا ترجمہ اسی طرح کرے گا۔

اب لطیفہ یہ ہے کہ آیت کے الفاظ اور جملہ کی ساخت میں لچک ہے۔ اللہ تعالےٰ کا اس قول سے مطلب جو کچھ ہو لیکن اس طرح کہنے میں از روئے نحو و زبان و محاورہ اللہ تعالےٰ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ بات کو اسی طرح کیوں کہا، دوسری طرح کہا ہوتا کہ لچک اور شبہہ نہ پیدا ہوتا۔ اس لئے کہ ہر زبان میں یہ لچک ہوتی ہے۔ اردو کے اس ترجمے میں بھی یہی بات ہے "بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا" عربی میں دونوں مفہوم (مولانا کے اور مفسرین کے) ادا کرنے کے لئے الفاظ قرآنی سے بہتر اور مختصر تر الفاظ نہیں ہو سکتے تھے مگر چونکہ مفسرین نے لا الہ الا اللہ کے ہی وہ معنی مراد نہیں لئے اس لئے اس آیت کا ترجمہ و تشریح بھی ویسا نہ کیا اور حضرت مولانا صاحبؒ کلمہ طیبہ کے وہ معنی سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے الفاظ آیت سے بھی اپنے ہی معنی سمجھے۔

یہ میں شوقِ بیان میں لکھتا چلا گیا۔ ورنہ کیا ضرورت تھی۔ مولانا کے دلائل کو میں اتنا پڑھنا چاہتا ہوں کہ حفظ ہو جائیں۔ اگرچہ اب حافظہ جواب دے چکا ہے۔ دلچسپ و پسندیدہ اشعار تک یاد نہیں رہتے۔ ہمیشہ سے جو اشعار یاد تھے وہ بھولتا جاتا ہوں، تو بھلا یہ دقیق نکتے کیا یاد رہیں گے۔ اس۔ لئے میں ان مسائل کو اسی طرح اپنے قلم سے لکھنا چاہتا ہوں لکھنے سے یاد بھی جلدی ہو جاتے ہیں اور بھولنے کی تلافی بھی یادداشت سے ہو جائے گی"۔

سوانح حیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ربّ العٰلمین الصلوٰۃ والسلام محمداً و اٰلہ واصحابہ اجمعین

نسب و وطن :۔ وطنِ مالوف قطبِ زماں حضرت شاہ عبد الرحمٰن صاحب قدس سرہ العزیز کا کوٹ مخدوم مولانا عبدا لحکیم قدس سرہ متعلقہ مبارک پور محال روپاہ متعلقہ شکارپور صوبہ سندھ ہے۔ مورثِ اعلیٰ حضرت کے عرب سے آکر سندھ میں وارد ہوئے اور اسم مبارک اُن کا سید عرب شاہ تھا جن کے صاحبزادہ سید دین محمد اور اُن کے صاحبزادے سید علم الہدیٰ اور ان کے صاحبزادے سید محمد حسن حضرت مولانا شاہ عبد الرحمٰن قدس سرہ کے والد تھے۔

مخدوم مولانا عبدا لحکیم بن شیخ محمد حضرت مولاناؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اُن کے علمِ ظاہری اور کمالاتِ باطنی کا دور دور شہرہ تھا حتیٰ کہ بادشاہ کابل نے سند قضا و افتاء کل علاقہ شکارپور کے لئے آپ کو دینا چاہی اور پانچ گاؤں معافی بھی خدمت مبارک میں پیش کئے لیکن مخدوم صاحب نے اس کو اپنے طریق توکل کے خلاف سمجھا اور قبول نہ فرمایا۔

بچپن :۔ حضرت شاہ مولانا عبد الرحمٰن قدس سرہٗ کا سنہ ولادت ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء (ایک ہزار ایک سو اکسٹھ ہجری) ہے۔ مولانا کم عمری سے ذہانت اور جودت کے علاوہ نیک نفسی، متانت اور ذوقِ علمی کے لئے اپنے سب ہم عمروں میں ممتاز تھے۔ مولانا عبدا لحکیم صاحب فرماتے تھے کہ ماشاء اللہ یہ لڑکا علمِ لدنی رکھتا ہے۔ میرے پاس کتاب لے کر آتا ہے اور بغیر مطالعہ دیکھے کتاب کھول کر پڑھنے لگتا ہے میں منتظر رہتا ہوں کہ مطلب سمجھنے میں غلطی کرے تو بتاؤں لیکن کبھی اس سے غلطی نہیں ہوتی۔ عبد الخالق وغیرہ دوسرے طلباء جو ہم سبق ہیں مطالعہ میں بڑی محنت اور مشقت کرتے ہیں لیکن اُس سے مدد لیتے رہتے ہیں۔ بچپن ہی میں

پرہیز گاری اور نیکی کے آثار ظاہر تھے۔ چنانچہ والدہ صاحبہ حضرت مولاناؒ کی فرماتی ہیں کہ جب کبھی عبدالرحمٰن گھر میں آتا اگر اُس وقت کھانا تیار ہوتا تو کھالیتا ورنہ واپس چلا جاتا اور پھر رات کو واپس آکر جو کچھ موجود ہوتا کھالیتا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح وقت بے وقت کبھی نہ کھاتا۔

ابتدائی تعلیم:۔ قرآن شریف اپنے ماموں اخوند ہدایت اللہ سے پڑھا اور صرف و نحو، فقہ و عقاید کی کتابیں حضرت مخدوم عبدالحکیم صاحب سے پڑھیں۔ حضرت مولاناؒ نے بچپن میں خاندانی طریقہ کے مطابق سید محمد صالح نبیرہ سید محسن شاہ سے جو حضرت غوث الثقلین کی اولاد میں تھے بیعت کی تھی۔ بعد بلوغ حضرت مخدوم عبدالحکیم سے نسبتِ اویسیہ محمدیہ حاصل ہوئی۔ چونکہ حضرت مولاناؒ کو شوق حصول علمِ ظاہر غالب تھا آپ نے اپنے والدین اور مخدوم صاحب سے اجازت لے کر ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء میں انیس برس کی عمر میں تحصیلِ علم کے لئے ترکِ وطن کر کے سفر اختیار فرمایا۔

سفر برائے تحصیل علم:۔ حضرت نے خود اپنی زبانِ مبارک سے اس سفر کا حال ارشاد فرمایا ہے۔ اول شہر خیرپور پہنچے، وہاں حافظ محمد فاضل بڑے عالم تھے۔ اُن سے چار سال کتب متوسطات پڑھیں۔ وہاں سے قصبہ مہارون میں مولوی اسد اللہ صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ایک سال قیام فرمایا۔ وہاں سے قصبہ انگھ شاہ بلاول متعلقہ سون میں مولوی کریم اللہ صاحب کی خدمت میں چار سال قیام فرمایا۔ قصبہ مہارون میں شاہ محمد نذیر مشہور بزرگ تھے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ طلب کیا کہ تحصیل علم کے لئے اگر بخارا کا سفر کیا جائے تو کیسا ہوگا۔ شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے شاہجہاں آباد جانے کا حکم ہے اور اگر وہاں اچھے اُستاد نہ ہوں تو رام پور افغانان جانا چاہئے کہ وہاں علماء کا مجمع ہے اور تحصیل و تکمیل علم کی سہولت ہے۔ حضرت مولاناؒ فخر الدین محمد قدس سرہٗ کے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور جناب ممدوح سے ملاقات کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ساتھی تلاش کر لو اور بقیہ کتابوں کی تکمیل کر لو۔ انشاء اللہ علم میں برکت ہوگی۔ اس کے بعد حضرت مولاناؒ نے رام پور کا رخ کیا۔ اور عہد نواب فیض اللہ خاں مرحوم میں وہاں پہنچ کر مولوی محمود صاحب کی خدمت میں چار سال اور چار مہینے قیام فرمایا۔ رحمت بخش یہیں سے آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ چونکہ مولاناؒ عبدالعلی محمد قدس سرہ کے علم و فضل کی شہرت دور و نزدیک پہنچ چکی تھی حضرت مولاناؒ نے قصبہ بہار متصل کلکتہ کا رُخ کیا اور مولانا عبدالعلی کی خدمت میں مدرسہ منشی صدرالدین میں حاضر ہوئے۔

یہ ماہ صفر ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء تھا۔ حضرت مولاناؒ کا اس مدرسہ میں ایک سال قیام رہا اور اُس وقت مولانا عبدالعلی قدس سرہ نے یہ چاہا کہ حضرت مولاناؒ کی دستار بندی جیسا کہ فارغ التحصیل طلباء کے لئے معمول ہے کی جائے لیکن حضرت مولاناؒ نے قبول نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ رسم دستار بندی کے وقت ایک سند اور خلعت اور دوسو روپیہ نقد مدرسہ کی جانب سے ہر طالب علم کو ملتا تھا اور سرکار انگریزی میں عہدہ بھی ملتا تھا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ میں نے تحصیل علم اللہ کے واسطے کیا ہے مجھ کو نہ خلعت و مال کی طمع ہے اور نہ نوکری کی ہوس پھر اس رسم دستار بندی کی کیا ضرورت ہے۔

درس و تدریس:۔ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں حضرت مولانا کی عمر شریف چالیس سال کی تھی۔ اس وقت حضرت مولانا عبدالعلی محمد قدس سرہ سے رخصت ہو کر اور بعض دوستوں کے مشورہ سے مدنی پور صوبہ بنگالہ میں قیام اختیار فرمایا اور طلباء کو درس دینا شروع کیا۔ یہاں دس مہینہ قیام رہا۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اور چار سال قیام فرمایا اور تمام کتب درسی کو اپنے درس میں طلباء کو سبقاً سبقاً پڑھایا اور علم ظاہر سے طبیعت سیر ہو گئی۔

غلام محمد مجذوب:۔ حضرت مولاناؒ ارشاد فرماتے تھے کہ میں حیدر آباد کی مسجد میں مقیم تھا اور روزانہ درس دیتا تھا۔ رات کو نمازیوں کے لئے پانی بھر دیتا تھا اگر کوئی مسافر و درویش رات کو مسجد میں آجاتا تو اُس کی خدمت خود کرتا۔ ایک روز غلام محمد نام ایک درویش مجذوب صفت آکر بیٹھے۔ حضرت مولاناؒ اُس وقت سبق پڑھا رہے تھے اُن کی طرف توجہ نہیں فرمائی آخر اُس فقیر نے کہا کہ مولوی علم ظاہر کا بہت درس دے چکے اب ہمارے حصہ میں آؤ۔ حضرت مولاناؒ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ کچھ مہینے بعد وہی مجذوب پھر آئے اور دیر تک حضرت مولاناؒ کی طرف نگاہ کی اور پھر وہی الفاظ زبان پر لائے۔ حضرت مولانا خاموش رہے۔ لیکن دل میں ایک اثر پیدا ہو گیا۔ کچھ دن بعد اس مجذوب کا حال دریافت کیا اور پوچھا کہ کہاں ہیں پھر نہ آئے۔ کسی نے کہا کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ یہ سُننا تھا کہ دل میں آتشِ عشق بھڑک اُٹھی پڑھنے پڑھانے کا شغل ختم کر دیا اور خانہ کعبہ کا احرام باندھا اور سفر حجاز کے لئے روانہ ہو گئے۔

سفر حجاز:۔ حیدر آباد سے بندرگاہ سورت تک خشکی کے راستہ سے گئے۔ سورت سے جہاز رحمان بخش پر ۲۰ رجب ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء کو سوار ہوئے اور ۹ رمضان المبارک ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء کو جدہ پہنچے۔

جدہ سے اونٹ کی سواری اختیار کی اور ۱۲ر رمضان المبارک کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ وہاں تین ماہ قیام فرمایا اور فریضہ حج ادا کر کے ۱۵ر ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے ۲ر محرم ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء کو وہاں پہنچے پھر ماہ رمضان میں جہاز پر سوار ہوے اور بندرگاہ کچ بھوج پر کہ صوبہ سندھ میں واقع ہے جہاز سے اُترے اور اپنے وطن پہنچے۔ اس وقت حاجی غلام محمد اور مولوی رحمت بخش آپ کے ساتھ تھے۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مولاناؒ کی والدہ ماجدہ وصال فرما گئیں اور جناب کے والد ماجد آپ کی تلاش میں ہندوستان تشریف لے گئے ہیں۔ آپ اپنے عزیز و اقارب سے ملے اور اس کے بعد مخدوم مولانا عبدالحکیم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چھ مہینے قیام فرما کر اکتساب فیض نسبت اُویسیہ محمدیہ میں کیا اور پھر اُن سے اجازت چاہی کہ دوسرے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے بھی استفادہ فرمائیں۔ حضرت مخدومؒ کو حضرت مولاناؒ کی استعداد اور خداداد ہمت و مرتبت کا اندازہ تھا اس لئے اُن کی خواہش کو مقدم رکھا اور مجبوراً دوبارہ سیر و سیاحت کی اجازت دے دی۔

وطن سے رخصت ہو کر:۔ حاجی غلام محمد سفر حجاز میں حضرت مولاناؒ کے ساتھ تھے واپسی پر جب بندر کچ بھوج (سندھ) پر جہاز سے اُترے تو مولانا صاحب خود وہاں ٹھہر گئے اور اُن کو اپنے وطن بھیج دیا کہ وہاں سب کو اطلاع کر دیں۔ چنانچہ حاجی غلام محمد آپ کے وطن کوٹ مخدوم پہنچے اور مقیم رہے۔ چھ مہینے حضرت مولاناؒ نے اپنے وطن میں قیام فرمایا اور پھر ارادہ روانگی کا کیا۔ حاجی غلام محمد کا بیان ہے کہ مخدوم عبدالحکیم صاحب حضرت مولانا قدس سرہ کا اس قدر ادب و لحاظ فرماتے تھے کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ وہاں کے عزیزوں نے چاہا کہ مولانا اب وطن میں قیام کریں اور مخدوم صاحب سے درخواست کی کہ وہ مولاناؒ سے کہدیں اس لئے کہ ان کے فرمانے کو مولاناؒ رد نہیں کریں گے مخدوم صاحب نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ میں اُن کو حکم نہیں دے سکتا جو اُن کی مرضی ہو وہی ہوگا۔ چنانچہ مولانا وہاں سے رخصت ہو گئے۔ مخدوم صاحب کھڑے ہوئے دیکھتے رہے جب مولانا اُن کی نظر سے بھی غائب ہو گئے تب انہوں نے آدمیوں کو درخت پر چڑھا دیا اور حکم دیا کہ جب تک مولانا نظر کے سامنے رہیں بتاتے رہیں۔ پھر جب درخت کے اوپر سے بھی نظر نہ آئے تو یہ لوگ نیچے اُتر آئے۔ اس وقت حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ زہے قسمت اُس شہر کی جس میں عبدالرحمٰن رونق افروز ہوں۔

سیاحت:۔ حضرت مولانا صاحبؒ وطن سے نکلے تو اول پاک پٹن شریف پہنچے اور وہاں حضرت بابا شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے مزار پُرانوار پر پچاس دن قیام فرمایا وہاں سے جودھ پور تشریف لے گئے وہاں دس مہینہ قیام کر کے درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بہت سے طلباء نے آپ کے قیام سے فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ امان اللہ طالب علم وہیں سے حضور کی خدمت میں آئے اور ساتھ رہے۔ اس کے بعد ۴؍ ربیع الثانی ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء کو اجمیر شریف حاضر ہوئے جہاں ایک مسجد میں جو مزار شریف کے باہر واقع ہے قیام فرمایا۔ ارشاد فرماتے تھے کہ اس وقت ہمارے پاس کچھ خرچ باقی نہ تھا اور رات کو کوئی چیز کھانے کی دستیاب نہ ہوئی صبح کو جب دیر تک کچھ ہاتھ نہ آیا تو روزے کی نیت کرلی۔ اسی طرح دوسری رات اور پھر تیسری رات فاقہ سے گزری۔ تیسرے روزے کے دن کسی شخص سے چند کوڑیاں قرض لیں جن سے شام کو کچھ کھیلیں خریدیں اور اُن سے روزہ افطار کیا۔ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر اس روز بھی صبر کرلیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ اس کے بعد آپ کے ہمراہی تو درگاہ شریف کے لنگر سے دلیا لے کر کھالیتے تھے لیکن مولاناؒ صرف تبرک کے طور پر چکھ لینے پر اکتفا فرماتے۔ چند روز کے بعد اکثر کھانا بھی مل جاتا لیکن فاقے کی نوبت بھی آتی رہتی تھی۔ اجمیر شریف میں تین مہینہ اور دو روز قیام فرمایا اکور میں ایک بزرگ محمد حنیف نامی رسول شاہی درویش تھے جو برہنہ رہتے تھے اور بھنگ کا پیالہ اور ایک کتا اُن کا رفیق تھا۔ باوجود ان خصوصیات کے ان کی شہرت علم و فضل اور کشف و کرامات کی بہت تھی۔ حضرت مولاناؒ نے ایک مہینہ ان کی خدمت میں گذارا وہاں سے ریواڑی تشریف لائے اور چار مہینے قیام فرما کر پھر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ اس کے بعد دہلی تشریف لائے تین مہینہ درگاہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور دس روز حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی درگاہ میں اور ایک سال تین مہینے حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر اور دس روز قدم شریف میں قیام فرمایا۔

دہلی کے زمانۂ قیام میں شاہ محمد عظیم صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین محمد قدس سرہ سے استفادہ فرمایا اور اجازت و خلافت سلسلۂ نظامیہ چشتیہ فخریہ حاصل کی۔ اس کے بعد آپ گنگوہ شریف آئے اور مزار فائض الانوار حضرت قطب العالم میں حاضر رہے اور شاہ عماد الاسلام سجادہ نشین درگاہ اور شاہ قطب الدین علی سے تعلقات خصوصیت و محبت کے قائم ہوگئے۔

مؤخر الذکر نے مولانا سے استفادہ بھی حاصل کیا۔ پچاس دن گنگوہ میں قیام کر کے قرب و جوار کے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی غرض سے انبیٹھ، گڑہام ٹھکہ، اور کرنال تشریف لے گئے ان مقامات پر مختصر قیام فرمایا لیکن قصبہ تھانیسر میں کہ گنگوہ سے دس کوس پر واقع ہے حضرت جلال الدین تھانیسری قدس سرہ العزیز کے مرقد مبارک پر پچیس روز گزارے وہاں سے منگلور، ضلع سہارنپور تشریف لے گئے اور حضرت مولوی شاہ نورالہدیٰؒ خلف حضرت مولانا مفتی محمد سلیم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چالیس روز قیام فرما کر اجازت و خلافت سلسلہ قادریہ وچشتیہ صابریہ حاصل کی۔ اس کے بعد دیوبند، سہارنپور اور پیران کلیر شریف حاضر ہوئے اور مزار فائز الانوار قطب الاقطاب حضرت مخدوم سید علاالدین علی احمدؒ پر چالیس روز قیام فرمایا اس زمانہ میں کلیر شریف کے آس پاس دور دور آبادی نہیں تھی اور بالخصوص مزار مبارک تو جنگل میں بن کے اندر واقع تھا۔ جناب مولاناؒ کا قیام خانقاہ کی مسجد میں تھا وہاں سے قصبہ کلیر کی آبادی فاصلہ پر واقع تھی ارشاد فرماتے تھے کہ جس روز حضرت مخدوم صاحبؒ کے مزار پر پہنچا تو کوئی چیز نقد و جنس کی میرے پاس نہ تھی صرف ایک سفید اُونی چادر تھی اُسی کو مزار مبارک پر بطور نذر پیش کر دیا۔ متواتر تین روز گزر گئے اور کوئی چیز کھانے کو نہ ملی چوتھے روز کوئی شخص تھوڑی سی شکر لے کر مزار شریف پر حاضر ہوا اور شکر پر نیاز دلا کر تقسیم کی۔ اس شکر کی ایک چٹکی میرے ہاتھ پر رکھ دی اسی شکر سے روزہ افطار کر لیا اس کے بعد پچیس روز تک کنویں سے پانی لے کر افطار کرتا رہا اور کوئی چیز نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ رحمت بخش اور امان اللہ کی (جو اس سفر میں بھی ساتھ تھے) فاقہ سے بُری حالت ہو گئی اور جان پر بننے لگی، تو میں نے اجازت دی اور کہا کہ تم کو اپنی جان بچانے کے لئے بستی میں جا کر سوال کرنے کا اختیار ہے خوشی سے جا سکتے ہو لیکن وہ نہ گئے۔ آخر ایک روز شام کے وقت ایک شخص گاؤں سے آیا اور اُس نے پوچھا کہ مولوی عبدالرحمٰن کون ہیں۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ یہ شخص ایک آدمی کے سر پر ایک خوان لے کر آیا تھا جس میں تین آدمیوں کے قدر کھانا تھا وہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ جب ہم سیر ہو کر کھا چکے تو اس شخص نے اپنے آدمی سے کہا کہ اسی طرح روزانہ کھانا پہنچا دینا۔ وہ شخص تیرہ دن تک اُسی قدر کھانا روز شام کو لاتا رہا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ دعوت حضرت مخدوم صاحب کی طرف سے ہے۔ جب تیرہ روز گزر گئے تو کھانا لانے والے نے کہا کہ آپ کی دعوت کی جو جنس ہمارے پاس تھی وہ آج ختم ہو گئی

کل نہیں آؤں گا۔اب میں سمجھا کہ یہ رخصت کا پیام ہے۔ لیکن چونکہ ایک دن چلہ کا باقی تھا اس لئے ایک روز اور ٹھہرا اور اُس کے بعد پانی پت روانہ ہو گیا۔

پانی پت میں چار روز قیام فرمایا مزارات حضرت خواجہ جلال الدین کبیر الاولیاء و حضرت خواجہ شمس الدین ترک و حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر صاحب قدست اسرارہم سے فیوض و برکات حاصل کر کے نجیب آباد، نہٹور اور وہاں سے امروہہ پہنچ کر خانقاہ شاہ عبدالباری صاحب میں تقریباً چھ ماہ قیام فرمایا۔ وہاں سے مراد آباد و کاشی پور کے راستے سے بہرائچ تشریف لائے اور مزار فائض الانوار حضرت سید مسعود سالار غازی قدس سرہ العزیز پر تین مہینے حاضر رہے۔اس کے بعد بانسہ شریف پہنچ کر مزار پُر انوار قطبِ آفاق حضرت سید شاہ عبدالرزاق صاحب قادری قدس سرہ پر پچاس روز قیام فرمایا اور سید شاہ غلام علی نبیرہ قطب ممدوح سے خلافت و اجازت سلسلۂ قادریہ رزاقیہ حاصل کی۔ یہاں سے آپ ردولی شریف تشریف لے گئے اور وہاں درگاہ عالم پناہ حضرت شیخ العالم مخدوم احمد عبدالحق صاحبِ توشہ علیٰ نبیناو علیہ السلام میں چھ مہینہ قیام فرمایا اور چالیس روز تک خدمت جاروب کشی درگاہ شریف میں مصروف رہے۔ ردولی شریف سے شہر اودھ میں وارد ہوئے اور حضرت شاہ جمال گوجر قدس سرہ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہو کر تین روز قیام فرمایا۔ وہاں سے بزرگان ٹانڈہ کی زیارت کی اور پھر کچھوچھہ شریف پہنچ کر تین روز مزار مبارک حضرت سید اشرف جہانگیر قدس سرہ پر حاضر رہے پھر سلون تشریف لے گئے اور مسجد خانقاہ حضرت شاہ کریم عطا صاحب میں تین مہینے قیام فرمایا۔ وہاں سے مانکپور پہنچ کر حضرت مخدوم حسام الحق مانکپوری اور دوسرے بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر رہے۔اس کے بعد کٹرہ اور وہاں سے الہ آباد میں دائرہ شاہ محمد اجمل قدس سرہ میں ستائیس روز قیام فرمایا اور وہاں کے بزرگوں کے مزارات سے فیض حاصل کیا۔

ورود لکھنو:۔ اس کے بعد چند روز رائے بریلی میں تکیہ شاہ علیم اللہ رحمتہ اللہ علیہ پر قیام رہا اور بالآخر ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں کے عہدِ حکومت میں لکھنو تشریف لائے۔ تین دن شاہ پیر محمد صاحب قادری کے مزار پر قیام رہا پھر حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ کی مسجد میں سکونت اختیار فرمائی اور سات برس چند مہینے وہاں مقیم رہے۔ ۷ر محرم ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء کو مسجد پنڈائن میں تشریف لے آئے اور آخر عمر تک یہیں قیام فرمایا۔ یہ مسجد اب احاطہ درگاہ شریف واقع باورچی ٹولہ متصل ڈیوڑھی آغا میر شہر لکھنو میں

واقع ہے تئیس برس کامل اسی مسجد میں حضور کا قیام رہا اور بعد وصال مزار مبارک مقابل اس مسجد کے صحن میں تعمیر ہوا جو آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے اور جہاں ہزار ہا بندگانِ خدا اکتساب فیض کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

قیام مسجد پنڈائن:۔ حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب کی مسجد سے مسجد پنڈائن باورچی ٹولہ میں منتقل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ شاہ مینا صاحب کی خانقاہ میں ایک مجذوب جن کا نام شاہ نجابت علی تھا قیام فرماتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت مولانا صاحبؒ بھی وہاں قیام فرمائیں اور اکثر حالت جذب میں اشارہ بھی کرتے تھے کہ مولانا اس مسجد سے اُٹھ جائیں مگر حضرت مولانا صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ شاہ نجابت علی اُن کو گود میں اٹھا کر لے گئے اور مسجد پنڈائن میں بٹھا دیا اور کہا کہ یہاں رہو۔ چنانچہ دو تین دن بعد آپ اسی مسجد میں تشریف لے آئے۔

انہدام مسجد:۔ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز مولانا رضی اللہ عنہ مسجد کے اندر بستر پر آرام فرمارہے تھے کہ یکبارگی اُٹھ بیٹھے اور مسجد سے باہر نکل آئے۔ دوسرے لوگ جو وہاں سو رہے تھے اُن سے بھی فرمایا کہ جلدی باہر نکل آؤ۔ اتنا فرمایا تھا کہ مسجد کا درمیانی برج شق ہو گیا اور سیکڑوں من ملبہ اس بستر پر آرہا سائبان کے ہلنے سے حضرت مولاناؒ کی کمر مبارک میں چوٹ بھی آئی اور مسجد کی دیوار و گنبد میں شگاف ہو گیا۔ چونکہ مسجد کے گرنے کا کوئی سبب بظاہر معلوم نہ ہوتا تھا اس لیے اس پر بڑی حیرت تھی۔ حضرت سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس مسجد میں ایک طالبِ علم کبیر نامی رہتا تھا اس سے لوگ دشمنی رکھتے تھے اور اُس پر آوارگی کا الزام لگایا تھا چنانچہ لوگوں کے کہنے سننے سے میں نے اسی خیال سے کہ فساد زیادہ نہ بڑھے اُس کو مسجد سے نکال دیا۔ اس قصور میں یہ واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ بعد اس واقعہ کے حضرت مولاناؒ نے کبیر کو بلا کر اُس سے معافی چاہی اور اپنا قصور معاف کرا لیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس مسجد کا باقی رہنا نہایت خطرناک ہے اور اس کو شہید کر کے زمین کے برابر کر دینا چاہئے اگر منظور خدا ہو گا تو پھر از سرِ نو بن جائے گی۔ لیکن انہدام مسجد کے لئے بھی کافی روپیہ درکار تھا اس لئے چند روز اسی حال میں گزرے۔ ایک دن بغیر مطلب تقریباً پچاس مزدور آ گئے اور مسجد کے تینوں برج، دیواریں اور بنیادیں کھود کر زمین کے برابر کر دیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ داروغہ حسین خاں نے بیلدار بھیجے تھے اب صرف ایک سائبان باقی رہ گیا اسی سائبان میں پانچوں وقت نماز ہوتی تھی اور یہی جائے قیام اور مکان حضرت مولاناؒ اور اُن

12828 1

کے رفیقوں اور خادموں کا تھا۔ ہر چند وہاں کے حاضر باش اور معتقدین نے حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ شہر کی کسی دوسری مسجد یا خانقاہ میں جہاں حضرت پسند فرمائیں منتقل ہو جائیں لیکن منظور نہیں فرمایا اور ارشاد ہوا کہ میں اللہ کے حکم سے اس جگہ بیٹھا ہوں جب یہاں سے اٹھنے کا حکم ہوگا تو لکھنو سے باہر چلا جاؤں گا اور جہاں کہیں اُس کی مرضی ہوگی رہوں گا۔ مولوی رحمت بخش نے جو حضرت کے قدیم رفیق اور خانساماں تھے عرض کیا کہ اب یہ میدان بے قید ہو گیا اسباب و سامان کی دیکھ بھال اور حفاظت ممکن نہیں اور میں نے مولوی گنج میں ایک مسجد جو ہر طرح محفوظ ہے دیکھ لی ہے اگر حضور یہاں سے منتقل نہ ہوں گے تو میں چلا جاؤں گا۔ حضرت مولانا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو اسی ویرانہ میں رہو ورنہ اختیار ہے اس پر مولوی رحمت بخش جدا ہو گئے اور اسباب کے متعلق دریافت فرمانے لگے۔ حکم ہوا کہ "مجھے اسباب کی طمع نہیں ہے سب مال تم کو بخشا اپنے ساتھ اس کو بھی لے جاؤ۔ البتہ کلام پاک مثنوی شریف اور شرح قصیدہ بردہ اگر جی چاہے تو میرے پاس چھوڑ دو۔ چنانچہ مولوی رحمت بخش سوائے ان تین کتابوں کے تقریباً دو سو کتابیں اور تمام برتن اور کپڑے وغیرہ مزدوروں کے سر پر رکھ کر روانہ ہو گئے۔

مسجد اسی طرح شکستہ حال تھی کہ برسات کا موسم آگیا۔ بارش میں مسجد کے سائبان میں پانی بھر جاتا تھا حضرت مولانا صاحب اسی حال میں ایک بڑا تکیہ رکھ کر اس پر بیٹھ جاتے تھے تاکہ نماز کے لئے کپڑے خشک رہیں اور جب نماز کا وقت ہوتا تو نمازی اپنے ہاتھ سے پانی صاف کر کے بوریا بچھاتے اور نماز پڑھ لیتے تھے۔ ہر چند آپ کے خدام اور عقید تمند اصرار کرتے تھے کہ رات کو چارپائی بچھا کر اس پر آرام فرمالیں تاکہ پانی کی تکلیف سے محفوظ رہیں لیکن اس کو قبول نہ فرماتے تھے اور ارشاد ہوتا کہ میں نے تمام عمر تخت اور چارپائی پر پاؤں نہیں رکھا ہے پھر چند روز کی تکلیف کے لئے اپنی وضع کیوں بدلوں۔ نماز کے لئے تو پاک و صاف جگہ درکار ہے لیکن سونے کی خاطر اس کا اہتمام کیا ضرور ہے۔ برسات کا موسم اسی طرح گزرا۔

بلوہ محرم:۔ مسجد اسی حال میں بے در و دیوار تھی کہ ۸/ محرم ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء کو بلوہ ہوا واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت مولاناؒ بعد نماز ظہر حسب معمول مسجد کے سائبان میں بیٹھے مراقبہ فرما رہے تھے۔ مسجد کا دروازہ سامنے لبِ سڑک تھا اس راستے سے عَلم گزر رہے تھے اُن لوگوں میں سے تقریباً دو سو آدمی ہتھیار بند مسجد کے احاطہ میں داخل ہوئے اور تلواریں کھینچ کر

مسجد کے سائبان کو گھیر لیا اور حضرت مولاناؒ کے قتل کا ارادہ کیا۔ مرزا کلن بیگ اور میاں فتح علی صاحب حضرت مولاناؒ کے قریب حاضر تھے ایک بندوق چلی اور اُس کی گولی حضرت کے شانۂ مبارک کے اوپر سے گزر کر دیوار مسجد میں لگی دوسرے لوگ تلوار سے برابر جسم مبارک پر وار کر رہے تھے لیکن حضرت مولاناؒ بالکل محفوظ رہے۔ کلن بیگ پر بھی چند وار کئے گئے مگر کارگر نہ ہوئے اسی حال میں میاں فتح علی اور مرزا مذکور نے حضرت کو ہاتھ پکڑ کر مراقبہ سے اُٹھایا اور حملہ کرنے والوں نے وہاں سے ہٹ کر شاہ تاج الدین احمد صاحب، خادم حسین، پنو خاں اور عبدالرزاق وغیرہ پر جو سائبان سے باہر تھے حملہ کیا۔ چنانچہ میاں عبدالرزاق کے سر پر تلوار سے زخم آیا۔ اور اُن کا سامان بھی لوٹ لیا گیا۔ پنو خاں صاحب بھی زخمی ہوئے ان لوگوں کے جانے کے بعد حضرت مولانا قدس سرہ نے ان کو دیکھا اور فرمایا کہ اگر سائبان سے باہر نہ جاتے تو زخمی نہ ہوتے اور بلوائیوں کے حق میں کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا سوائے اس کے کہ اُن لوگوں نے تو احسان اور سلوک کرنا چاہا تھا لیکن ابھی شہادت تقدیر میں نہ تھی۔ اگر کوئی دوسرا بھی بلوائیوں کے لئے کوئی برا لفظ کہتا تو آپ اُس کو منع فرماتے تھے ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں غازی الدین حیدر شاہ کی بیگم نے مسجد مذکور کو از سر نو تعمیر کرایا اور ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں مسجد کی چھت اور دونوں دالان تیار ہو گئے۔

معمولات :۔ حضرت مولانا قدس سرہ آدھی رات کے بعد بیدار ہو جاتے تھے ضروریات سے فارغ ہو کر معمول یہ تھا کہ اوّل دو رکعت نماز نفل پڑھتے تھے اس کے بعد ایک چادر گلے میں پھانسی کی طرح ڈال کر قصیدہ بردہ شریف ایک خاص ترتیب سے پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد اکثر آٹھ رکعت وتر پڑھتے اس کے بعد سجدہ طولانی فرماتے اور اس سجدہ میں خدا اور رسولؐ سے جو راز و نیاز ہوتے اُس کا بھید اللہ ہی جانتا ہے مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر شب جداگانہ معمول تھا چنانچہ صلوٰۃ و سلام، استغفار، آیاتِ قرآنی اور اشعار مثنوی، تسبیح و تہلیل مختلف عنوانات اور کمال ذوق و شوق سے فرماتے تھے۔ آخر میں فاتحہ پر ختم کرتے۔ لیکن فاتحہ کا طریقہ اور اس کے الفاظ بھی مخصوص تھے جس میں آیاتِ قرآنی کے بعد ایک مختصر دعا ہوتی تھی اور ایصال ثواب بزرگان دین و مشائخ سلاسل صوفیاء کے روح پُر فتوح کے لئے کیا جاتا تھا۔ کبھی ایک گھڑی رات رہے اور اکثر تین چار گھڑی رات رہے جیسا کہ معمول حرمین شرفین میں ہے اذان فجر کی خود کہتے تھے اور نماز فجر اول وقت ادا فرماتے تھے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر

جمعہ و سہ شنبہ کے علاوہ (کہ روز تعطیل قرار دیا جاتا) اکثر چراغ کی روشنی میں اور کبھی دن نکلنے کے بعد مثنوی شریف کا درس شروع ہوتا تھا اور ایک گھڑی دن تک سوائے نماز اشراق کے' کہ چھ رکعت کا معمول تھا دوسری طرف متوجہ نہ ہوتے تھے بلکہ اگر درس مثنوی کے درمیان میں کوئی شخص کلام کرتا تھا تو سخت ناگوار ہوتا تھا۔ تعطیل کے ایام میں بجائے مثنوی شریف کے نفحات الانس وغیرہ کا درس ہوتا تھا ایک گھڑی دن گزرنے کے بعد ناشتہ تناول فرماتے تھے۔ اور چار پانچ گھڑی بستر پر آرام فرماتے تھے۔ دوپہر سے دو گھڑی قبل بیدار ہو کر چار رکعت نماز چاشت پڑھتے تھے اور نماز ظہر کے انتظار میں بیٹھ جاتے تھے اور تسبیح میں مشغول ہوتے تھے۔ جیسے ہی آفتاب نصف النہار تک پہنچتا بلا توقف اُٹھ کر چار رکعت سنت ادا کر کے نماز ظہر کی امامت فرماتے تھے اور فارغ ہوتے ہی مسجد کے اندر تشریف لے جاتے اور دو رکعت سنت پڑھ کر مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور جس کسی کا جی چاہتا وہ بھی مراقبہ میں شریک ہوتا اکثر گھڑی پہر یہ جلسہ رہتا۔ اس کے بعد اُٹھ کر حجرہ میں تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد اگر عصر کی نماز میں وقفہ ہوتا تو ایک دو گھڑی مسجد کے درمیانی در میں تشریف فرما ہوتے اور ناس تمباکو کی سونگھتے۔ عصر کے قریب پھر وضو کر کے اذان کا انتظار فرماتے تھے بعد نماز عصر مغرب تک بہ نظر ظاہر فارغ ہوتے تھے۔ اس وقت اکثر لوگ آتے اور اپنی حاجت پیش کرتے تھے۔ اکثر مسائل پوچھتے اور جواب شافی پاتے۔ اُن میں سے بعض حضرت مولاناؒ کے رسالہ کا سبق بھی پڑھتے تھے۔ بعد نماز مغرب مصلّے پر روبہ قبلہ بیٹھ کر مراقبہ فرماتے تھے اُس وقت بھی جو چاہتا اس جلسہ میں شریک ہو جاتا۔ اس کے بعد دو گھڑی رات گئے عشاء کی اذان ہوتی اُس وقت مراقبہ سے سر اُٹھاتے اور چار رکعت فرض دو رکعت سنت کے بعد اپنے وظیفہ کا معمول پورا کر کے بستر پر استراحت فرماتے تھے۔ اس وقت آپ کے عقید تمند اور مشتاقان خدمت میں حاضر ہو کر خدمت پاچپی میں مصروف ہو جاتے۔ اور اسی وقت حرف و حکایت و مسائل سلوک و تصوف زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے یہاں تک کہ میاں اسد اللہ صاحب مرید و خادم خاص کہ حضرت مولاناؒ کے پاؤں دبانے پر مامور تھے حاضر ہوتے اور حضرت مولانا صاحبؒ ارشاد فرماتے کہ آب آمد تیمم برخاست، تب حاضرین اور دوسرے خدمت گار رخصت ہو جاتے تھے۔

روزہ مابین عصر و مغرب:۔ حضرت مولاناؒ کا معمول تھا کہ عصر و مغرب و عشاء کے

درمیان کھانے پینے سے پرہیز فرماتے اور مغرب وعشاء کے درمیان کلام نہیں فرماتے تھے۔ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ اس عمل کے بہت فوائد ہیں اور اجازت دی کہ جو چاہے اس پر عمل کرے بہت لطف حاصل ہوگا۔

قوالی :۔ جمعہ کے دن ظہر کے مراقبہ کی تعطیل ہوتی تھی اور منگل کے دن بھی مراقبہ مختصر ہوتا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت کو سماع پر توجہ ہوتی تھی۔ مسجد کی محراب میں قوالوں کے انتظار میں تشریف رکھتے تھے اگر اُن کے آنے میں دیر ہوتی تو شیخ غضنفر علی یا ننھے خاں وغیرہ یا کوئی خوش الحان مرید جو بھی موجود ہوتا اُسے طلب فرماتے، وہ بغیر مزامیر کے کلام سناتا اور اگر حضرت کو کیفیت شروع ہو جاتی تو تمام حاضرین پر اس کا ایسا اثر ہوتا کہ لوگ مسجد میں تڑپنے لگتے۔ جب قوال آجاتے تو وہ مسجد میں بیٹھ کر مع مزامیر کے گانا شروع کر دیتے۔ علماء ظاہر کو اس پر اعتراض ہوا اور بدگمانی پیدا ہوئی اس لئے کہ مزامیر سب کے نزدیک حرام ہیں اور حضرت مولاناؒ باوجود پابندی شرع اور پرہیز گاری کے مسجد میں مزامیر بجانا روا رکھتے تھے بعض لوگوں نے نواب معتمد الدولہ سے درخواست کی کہ وہ قوالی بند کرادیں اُنہوں نے توجہ نہ کی۔ پھر ان لوگوں نے قوالوں کو نقصان پہنچانا چاہا۔ حضرت مولاناؒ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ مطلق غنا اور مطلق مزامیر کے جائز ہونے میں علماء کے نزدیک کوئی شبہہ نہیں ہے اور مجھے اس کے ناجائز ہونے کا اگر شبہہ بھی ہوتا تو میں کبھی اس کے قریب نہ جاتا۔ میں تو قوالی کو پیغمبر اور خلفاء راشدین کا فعل اور اپنے پیرانِ طریقت کی سنت سمجھتا ہوں۔ اور چونکہ ایسا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مسجد میں قوالی نہ سُنی جائے۔ لیکن چونکہ لوگ اپنی نافہمی سے بدگمانی اور غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ میں کسی کے گناہ کا سبب بنوں یا میری وجہ سے قوالوں کو کوئی شخص تکلیف پہنچائے لہذا میں اب قوالی نہ سنوں گا۔

چنانچہ ایک جمعہ کو مرزائی قوال کو رخصت کر دیا اور ملول بیٹھے رہے۔ اس موقع پر مولوی یعقوب صاحب ردولوی چشتی صابری کہ حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بیحد عقیدت رکھتے تھے۔ حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ کیا حضرت نے قوالی سُننا چھوڑ دی ہے کہ آج جمعہ خالی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا کیا جائے سوائے مسجد کے یہاں کوئی مکان نہیں ہے اور مسجد میں قوالی کی محفل پر اعتراض ہوتا ہے اور لوگ قوالوں کو تکلیف پہنچانے پر آمادہ ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ میں قوالی کے علاوہ کسی شغل میں اتنا فائدہ نہیں دیکھتا۔ ع۔ قہر درویش بجانِ

درویش۔ اس خیال سے کہ لوگ گناہ پر آمادہ نہ ہوں اور قوالوں کو نہ ستائیں یہ طے کیا ہے کہ اب قوالی نہ سنوں گا مولوی صاحب موصوف نے عرض کیا کہ حضرت کی نیت کا حال تو کسی کو معلوم نہ ہوگا اور جو لوگ قوالی کے منکر ہیں یہی کہیں گے کہ آخرِ کار حضرت مولاناؒ کو بھی ثابت ہو گیا کہ سماع جائز نہیں اسی لئے اس کو ترک کیا ہے۔ اور اس صورت میں بظاہر دو خرابیاں پیدا ہوں گی ایک یہ بدگمانی کہ خواجگانِ چشت علیہم الرحمتہ اپنے نفس کی خواہش سے ایک مشتبہ فعل کرتے تھے جس کو اب مولانا نے چھوڑ دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قوالی نہ سننے سے یقیناً حضرت کے دل کو تکلیف ہوگی اور جب کسی کامل کے دل کو رنج پہنچتا ہے تو غیرتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور اس کا نقصان عام و خاص سب کو ہوتا ہے اگر ایسا ہی خیال ہے تو مسجد کے نیچے تشریف رکھئے اور قوالی سنئے۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے کچھ غور کے بعد اس پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ اس وقت قاسم علی و کاظم علی وغیرہ مغد و قوال کے بھتیجے معہ ساز کے حاضر تھے چبوترہ کے نیچے فرش پر بیٹھ گئے اور قوالی شروع ہوئی۔ حضرت مولاناؒ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے حافظ کی یہ غزل شروع ہوئی:۔

بہ زمینے کے نشانِ کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اس وقت جناب مولاناؒ کو اس قدر رقت ہوئی کہ اُس کی کیفیت وہی لوگ جانتے ہیں جو اس مجلس میں حاضر تھے۔ بس اس روز سے یہ معمول ہو گیا کہ محفل سماع کے وقت حضرت مولاناؒ مسجد کے صحن و دیوار سے تکیہ لگا کر تشریف رکھتے تھے اور قوال وضو کے چبوترے پر کہ مسجد سے خارج ہے بیٹھتے تھے۔

آدابِ سماع:۔ سماع کے آداب میں جو امور ضروری ہیں وہ خدا کے فضل و کرم سے تمام و کمال اس محفل میں پائے جاتے تھے یعنی ایسا وقت ہو کہ جس کو فراغت کہا جا سکے اور ایسا مکان ہو کہ جہاں نہ کسی کا ہرج ہو نہ خوف و خطر۔ شریکِ مجلس ایسے لوگ ہوں جن میں ربط و محبت ہو۔ کلام ایسا ہو کہ اُس کا سننا جائز ہو۔ قوال نماز گذار ہوں اور وہ بغیر طلب و تکرار کے از خود آئیں۔ محفل میں شور و غضب نہ ہو اور دنیاوی باتیں نہ ہوتی ہوں حاضرین محفل ادب کے ساتھ

اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور جو صوفی صاحبِ حال وہاں ہوں ان کا ادب واحترام ملحوظ رہے۔ اور ہر ایک قوال کو بغیر مانگے فائدہ پہنچے ایسی صحبت با برکت کا فیض درویشوں اور مریدوں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ عام وخاص خواہ وہ کسی طبقہ وجماعت کے ہوں سب کو یکساں پہنچتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولاناؒ کے وصال کے بعد بھی حضرت کے مزار پُر انوار پر مجلس سماع اسی کیفیت ترتیب اور التزام کے ساتھ آج تک ہوتی ہے۔

ہست مجلس بر آں قرار کہ بود

ہست مطرب بر آں ترانہ ہنوز

حضرت مولانا قدس سرہ کا معمول تھا کہ جیسے ہی نماز عصر کا وقت ہوتا آپ فوراً اُٹھ کر نماز باجماعت ادا فرماتے اور پھر مجلس میں تشریف رکھتے اور نماز مغرب تک قوالی سنتے اور بعد نماز مغرب حسبِ معمول مراقبہ فرماتے اور محفل ختم ہو جاتی۔

طریقِ بیعت:۔ بیعت کے معاملہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کا معمول تھا کہ دن رات جب کبھی کسی نے بیعت کی درخواست کی آپ نے اُس کو اپنے روبرو بٹھایا اول فاتحہ اپنے معمول کے مطابق پڑھی اور دونوں ہاتھ مرید کے اپنے ہاتھ میں لئے اور فرمایا کہ جو کچھ ہم کو اپنے بزرگوں سے پہنچا ہے وہ تم نے قبول کیا وہ کہتا تھا میں نے قبول کیا۔ دوسری مرتبہ حضرت فرماتے تھے کہ جو کچھ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے لطف وکرم سے عطا کیا ہے تم نے قبول کیا وہ کہتا تھا میں نے قبول کیا۔ تیسری دفعہ فرماتے تھے کہ جو کچھ اپنے بزرگوں کے طفیل میں مجھ کو پونجی ملی ہے وہ تم نے قبول کی، وہ کہتا قبول کی۔ اس کے بعد آپ زبانِ مبارک سے فرماتے مبارک باشد اور اگر مٹھائی موجود ہوتی تو اپنے ہاتھ سے مٹھائی اٹھا کر مرید کو دیتے۔ اگر وہ نذر پیش کرتا تو قبول فرماتے اور شاباش فرماتے۔ اس کے علاوہ بیعت کے وقت کسی قسم کی تعلیم و تلقین نہیں فرماتے تھے۔

جو عورتیں بیعت کے لئے حاضر ہوتیں اُن کو بیعت کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ چادر کا کونا یا بڑے رومال کا کونہ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیتے تھے اور دوسرا کونا مرید ہونے والی خاتون اپنے ہاتھ میں تھام لیتی تھی۔ اس طریقہ پر اُن ہی الفاظ کے ساتھ جن کا ذکر اوپر ہوا مولاناؒ بیعت فرماتے تھے۔ جو عورتیں موجود نہ ہوتیں اُن کے لئے حضرتؒ اپنے پنجہ مبارک کا

نشان کسی کپڑے پر لگا کر کسی شخص کو دیتے تھے کہ وہ وکالتاً بیعت لے لے۔ جب تک حضرت کی نگاہ درست رہی کبھی عورتوں کو اپنے پاس آنے کی جازت نہیں دی۔ لیکن جب بینائی میں کمی آگئی تب عورتیں حضرت کی زیارت کو آتی تھیں لیکن حضرتؒ نے کبھی قصداً نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

جب مرید شجرہ کی درخواست کرتے تو حضرت سوال فرماتے تھے کہ کس سلسلہ کا شجرہ چاہتے ہو اگر وہ حضرت کی رائے پر چھوڑتا تو آپ قادریہ ورنہ اُس سلسلہ کا شجرہ جس کی اُس نے درخواست کی ہو عنایت فرماتے تھے۔ اکثر شاہ تاج الدین احمد صاحب یا میاں عزیز اللہ صاحب شجرہ لکھتے تھے اور آخر میں حضرت مولانا قدس سرہ خود اپنے قلم سے یہ عبارت تحریر فرماتے تھے۔

"اجازت ایں سلسلۂ عالیہ داد۔ فقیر عبد الرحمٰن"

حلیہ :۔ حلیہ مبارک حضرت مولانا قدس سرہ کا کمال وضاحت اور خوبی کے ساتھ ملفوظ شریف میں درج ہے اس عبارت کو مختصر الفاظ میں اس موقع پر نقل کرنا آسان نہیں لیکن صاحبانِ ارادت واعتقاد کی تسکین خاطر کے لئے واضح کرنا ضروری ہے کہ حضرت مولانا رضی اللہ عنہ بغایت حسین و جمیل اور آپ کے اعضاء جسمانی اعتدال اور حسنِ ظاہر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ قد آپ کا درمیانی نہ طویل نہ قصیر، قامت بلند، آنکھ سرگیں، ابرو کشادہ کھچی ہوئی، بینی مبارک متوسط اور رخسار ہموار، چہرہ مبارک نورانی، پیشانی کھلی ہوئی اور روشن، دہن خوش نما، دانتوں میں موتی کی سی آب اور ہنستے وقت فرحت و تازگی دیکھنے والے پر اثر کرتی تھی اور عجیب کیفیت دل میں پیدا ہوتی تھی۔ داڑھی کے بال سفید و سیاہ تھے مگر سفیدی غالب تھی خوب گھنی اور نصف سینہ تک پہنچتی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں صاف و نازک اور اُن کے جوڑ نہایت متناسب تھے جسم شریف درمیانہ تھا۔ بائیں جانب ایک کف دست پر نشان اور بائیں پاؤں کے اوپر ایک چھوٹا سا نشان تھا۔ اور ایک سیدھا خط انگوٹھے سے ایڑھی تک قدم مبارک کے دونوں تلوؤں پر کھنچا ہوا تھا:۔

عاشقانِ خواجگانِ چشت را از قدم تا سر نشانِ دیگر است

حضرت مولاناؒ کی چال ایسی تھی کہ گویا کوئی شخص اوپر سے اتر رہا ہے اور باوجود میانہ روی کے آپ کے ساتھ چلنے والوں میں سے کوئی شخص آپ سے آگے نہ نکل پاتا تھا آخر

عمر میں نظر بہت کمزور ہو گئی تھی کہ آدمی کی صورت بھی نہ پہچان سکتے تھے لیکن ناواقف کو یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ حضور کے حواس یا آپ کے اعضاء میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے اس لئے کہ گفتگو میں یا تلاوت قرآن اور قرأت نماز میں نہ آواز پر اثر معلوم ہوتا تھا اور نہ ادائے مخارج میں فرق ہوتا تھا چنانچہ آخر وقت تک نماز کے ارکان پوری صحت کے ساتھ ادا فرماتے رہے۔

مکارمِ اخلاق

انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کے نفس کی خوبیاں ترقی کریں اور جو بُرائی اور عیب خصلت ومزاج میں واقع ہو وہ خوبیوں سے بدل جائے اور اخلاق کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ اس کی بُنیاد چار چیزوں پر ہے حکمت، شجاعت، عفت، اور عدالت۔ ان میں سے ہر چیز کی تفصیلات ہیں۔

ا۔ حکمت

حکمت کی تعریف یہ ہے کہ جو چیزیں موجود ہیں ان کی حقیقت و اصلیت کو جاننا اور سمجھنا اور اس کے لئے بعض خصوصیات لازم ہیں مثلاً ذکاء، سرعتِ فہم، صفاذہن، سہولت تعلم، حسنِ تعقل، تحفظ تذکر

ذکاء :۔ حضرت مولاناؒ کو چونکہ بڑی مدت تک درس و تدریس اور علم و فضل سے تعلق رہا اس لئے یہ ملکہ پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کا ذہن ہر مسئلہ میں بجلی کی طرح کام کرتا تھا اور فوراً اس مسئلہ کی حقیقت پر عبور ہو جاتا تھا چنانچہ مسئلہ وجودِ مطلق جس میں بڑے بڑے حکماء اور اکابر علماء کے قدم ڈگمگا گئے ہیں مولاناؒ کی نظر میں ایسا صاف اور واضح تھا کہ زمانہ صحابہ کرام کے بعد سے آج تک اس خوبی، وضاحت اور یقین کے ساتھ اہل اسلام میں کوئی نہ سمجھ سکا اور نہ پیش کر سکا۔ اور اس کے ثبوت میں جناب مولاناؒ کا رسالہ "کاسرۃ الاسنان" جس میں کلمہ طیبہ کی شرح کی گئی ہے پیش کیا جا سکتا ہے۔

سرعت فہم :۔ سرعتِ فہم حضرت مولاناؒ میں اس قدر تھی کہ آپ کو غور فکر کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہ آتی تھی چنانچہ اکثر اہلِ حاجت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تقریر شروع کرتے تھے اور آپ اُن کی گفتگو ختم ہونے سے پہلے اُن کا مطلب سمجھ لیتے تھے اور جواب شافی عنایت فرماتے تھے۔

صفاءِ ذہن :۔ صفاء ذہن کا یہ عالم تھا کہ مشکل مسئلوں کے سمجھنے اور اُن کے نتیجہ نکالنے میں آپ کو مطلق زحمت نہ ہوتی تھی اکثر علماء و فضلاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کسی مسئلہ کو دریافت کرتے تو آپ باوجود اس کے کہ وہ مسئلہ اُس وقت آپ کے حافظہ میں محفوظ نہ ہوتا تھا خود ہی اُس کو حل فرمادیتے تھے اور اگرچہ کتاب کا حوالہ نہ ہوتا لیکن نتیجہ اور جواب ہمیشہ صحیح ہوتا تھا جس کی سند بعد کو کتاب میں مل جاتی۔

سہولتِ تعلم :۔ طالبِ علم کو سمجھانے اور تعلیم دینے میں آپ کو وہ ملکہ تھا کہ اپنی تمام توجہ اس پر مرکوز فرماتے اور مسائل کا بیان اور تشریح ایسی ہوتی تھی کہ اصل مسئلہ اور اس کے سب پہلو طالب علم کی نظر کے سامنے آجاتے تھے اور یہ خیال ہوتا تھا کہ مولانا کا بیان کشف پر مبنی ہے۔

حُسنِ تعقل :۔ حُسنِ تعقل کا یہ حال تھا کہ بحث اور تقریر کے دوران میں ہر چھوٹی اور جزوی بات جو اصل مسئلہ پر اثر انداز ہوسکے آپ کے ذہن میں محفوظ ہوجاتی تھی اور اس میں آگے پیچھے دوسری بحثوں کو شامل نہ ہونے دیتے تھے۔

تحفظ تذکر :۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ بچپن سے لے کر آخر عمر تک جو کتاب دیکھی یا کسی سے سُنی بغیر فرق کے پوری یاد ہوجاتی تھی چنانچہ مثنوی شریف میں جب کسی مقام کی تلاش ہوتی ایک دفعہ کتاب کھولنے میں وہی موقع نکال لیتے تھے اسی طرح جب رسالہ کاسرۃ الانسان تصنیف فرمارہے تھے تو مسلم و بیضاوی اور مطول کی عبارتوں کا حوالہ بار بار آتا تھا اور آپ بغیر کتاب دیکھے اپنے حافظہ سے لکھوادیتے تھے اور بعد کو جب کتاب سے مقابلہ ہوتا تو ایک حرف کا بھی فرق نہ ہوتا تھا۔

۲۔ شجاعت

شجاعت کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ انسان کا جذبۂ غضب اُس پر غالب نہ آجائے اور خطرہ کے وقت کوئی گھبراہٹ نہ ہو، اور اُس وقت بھی جب کہ پریشانی اور فکر میں گھرا ہو عقل سے کام لے سکے۔ شجاعت کی گیارہ قسمیں ہیں۔ (۱) کبر نفس (۲) بجدت (۳) بلند ہمتی (۴) ثبات (۵) علم (۶) سکونِ نفس (۷) شہامت (۸) تحمل (۹) تواضع (۱۰) حمیت (۱۱) رقت۔

کبر نفس :۔ حضرت مولاناؒ کے کبر نفس کی یہ حالت تھی کہ اپنی ذات کے لئے نہ کسی چیز کی پرواہ کرتے تھے اور نہ کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کا خیال دل میں لاتے تھے بلکہ ہر بات موافق ہو یا ناموافق آپ پر یکساں اثر رکھتی تھی۔ چنانچہ ایک روز ارشاد فرمایا کہ طالب علمی کے

زمانہ میں میرے پاس دو سو روپے آئے مجھے اس وقت یہ خوف ہوا کہ اے اللہ میں نے جو دعا کی تھی کہ مجھ کو صاحبِ زکوٰۃ نہ بنا تو کیا وہ دعا قبول نہ ہوئی۔ لیکن وہ روپیہ چند ہی روز میں صرف ہو گیا اور اُس وقت میرے دل کو اطمینان ہوا۔

بجدت :۔ بجدت کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے اوپر بھروسہ رکھتا ہو۔ خطرہ اور خوف کے موقعہ پر اس کے افعال و حرکات میں کوئی فرق نہ آئے اور ثابت قدم رہے۔ چنانچہ یہ ہی صورت اس وقت پیش آئی جب کہ مسجد میں بلوائیوں نے چڑھائی کی تھی۔

بلند ہمتی :۔ بلند ہمتی میں حضرت مولاناؒ کا یہ حال تھا کہ اس دنیا کی بھلائی اور برائی کی پرواہ نہ فرماتے تھے بلکہ موت کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اسی مضمون کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ دو درویش تھے ایک کہتا تھا کہ یا اللہ مجھ کو دوزخ میں ڈال دے اور دوسرا کہتا تھا کہ جہاں تیری مرضی ہو وہیں میں خوش ہوں۔ حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک دوسرا درویش مقام رضا میں تھا اور اُس کی ہمت پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:۔

یکی پیش شوریدہ حالے نوشت کہ دوزخ تمنا کنی یا بہشت
بگفتا مپرس از من ایں ماجرا پسندیدم انچہ اوپسندد مرا

ثبات :۔ یہ صفت حضرت مولاناؒ میں اس درجہ کی تھی کہ کیسی ہی تکلیف یا پریشانی اور مصیبت لاحق ہو آپ پر اس کا اثر مطلق نہ ہوتا تھا اس کا ثبوت پچیس دن کا وہ فاقہ ہے جو حضرت مولانا کو پیران کلیر میں پیش آیا یا وہ سات روز جو سفر حجاز میں بغیر ایک قطرہ پانی کے آپ نے گزارے۔

حلم :۔ آپ کے حلم کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی غصہ آپ کی نرمی پر غالب نہ آسکتا تھا۔ اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو پرواہ نہ کرتے چنانچہ وحدت الوجود کے مسئلہ میں بارہا لوگوں نے آپ کے منہ پر کافر و ملحد کہا لیکن آپ کی بردباری اور حلم نے پیشانی پر شکن نہیں آنے دی۔ اس کے ثبوت میں وہ واقعہ ہے کہ اسد علی خاں نے جب درگاہ مخدوم شاہ مینا صاحبؒ میں حضرت مولاناؒ پر کٹار سے حملہ کیا تو اس وقت آپ نے ان لوگوں کو جو آپ کی حمایت پر لڑنے کے لئے آمادہ تھے روک دیا۔

سکونِ نفس :۔ سکون نفس میں آپ کا یہ حال تھا کہ دین کی باتوں میں اور شرع کے احکام کے

معاملے میں کسی قسم کی شرم اور خفت محسوس نہیں کرتے تھے مثلاً اگر نماز فجر کے بعد دو آدمیوں نے گواہی دی کہ ابھی نماز کا وقت نہ ہوا تھا تو مولاناؒ کو دوبارہ نماز لوٹانے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا تھا باوجود اس کے کہ دوسرے لوگ وقت کا ہو جانا مانتے ہوں لیکن آپ بے تامل دوبارہ نماز ادا فرماتے تھے۔

شہامت :۔ حضرت مولاناؒ کی ذات میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اشاعتِ خیر کے لئے بڑے کام اور اہم مقاصد پر کمال شوق سے متوجہ ہوتے تھے اور اُن کی تکمیل کے لئے بیتاب رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی یہ خواہش تھی کہ علمِ توحید اور اس کی تعلیم کے ذریعے سے خاص وعام خلائق کے ایمان کی تکمیل فرمائیں اور اس کام میں ایسی کوشش فرمائی کہ زمانہ حال وسابق میں بہت کم لوگ کر سکے ہیں۔ اور اس زمانہ میں بھی کہ قربِ قیامت کہا جاتا ہے جس قدر بندگانِ خدا کو آپ کے عہد ولایت میں دولتِ ایمان نصیب ہوئی کسی دوسرے ولی کے ذریعہ سے نہ ہوئی ہو گی۔

تحمل :۔ تحمل کی صفت حضرت مولاناؒ میں اس قدر تھی کہ آپ نے نیک کاموں کی خاطر اپنے جسم اور حواس کو اس قدر زیر اور مُضمَحِل کر لیا تھا کہ آپ خود فرماتے تھے کہ میں جوانی میں رات کے وقت چراغ کا محتاج نہ تھا بلکہ چاندنی میں کتاب پڑھا کرتا تھا۔ سفر کی مشقت اور فاقہ کی کثرت نے بینائی میں ضعف پیدا کر دیا تھا۔ گرمی کی شدت اور حَبْس کے وقت آپ بے تامل مسجد کے اندر بستر پر آرام فرماتے تھے۔ جاڑے کے زمانے میں یا برسات کی ٹھنڈی ہوا میں صحن مسجد میں آرام فرماتے اور مزید برآں ہاتھ کا پنکھا بھی جاری رہتا تھا۔

تواضع :۔ حضرت مولاناؒ کے مزاج میں یہ صفت اس حد تک تھی کہ اپنے کو ہیچ بے ہیچ کہتے تھے۔ جب کسی نے آپ کے نسب کو دریافت کیا تو یہی جواب دیتے کہ میرا نسب خاک ہے اور فُقَراء ومحتاجین جو ننگے پاؤں اور بے نمازی ہوتے آکر آپ کے برابر مُصلّٰی پر بیٹھ جاتے اور ہر طرح کی اچھی اور بُری بات کرتے۔ جناب مولاناؒ ان سے بھی خوش ہوتے لیکن جب اُمراء اور رؤسا آپ کے پاس آتے تو ان کے پاس بیٹھنا آپ کو طبعاً ناگوار ہوتا، اخلاقاً ان کے سوال کے جواب دیتے رہتے اور فرماتے تھے کہ میں نے کبھی اہلِ دنیا پر سلام میں سبقت نہیں کی۔

حمیت :۔ حمیت دین کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ایسی خبر ملتی کہ فلاں بادشاہ یا رئیسِ وقت نے کوئی حکم خلافِ اسلام جاری کیا ہے تو سنتے ہی رنج سے چہرہ مبارک زرد ہو جاتا تھا اور بے اختیار اس کی روک تھام کے لئے دعا فرماتے تھے اور اگر یہ سُن لیتے تھے کہ کسی حاکم کی طرف سے کوئی

حکم دینداری یا مخلوق کی بھلائی کا مثل ارزانی غلہ یا ممانعت ظلم و فساد جاری ہوا ہے تو کمال بشاشت سے چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا اور اس حکم کے حق میں آفریں و تحسین فرماتے۔

رقت:۔ رقت اور نرم دلی کا یہ حال تھا کہ جس انسان کو تکلیف میں دیکھتے اس کا اثر آپ پر ہوتا بلکہ ہر جاندار کی تکلیف آپ کو رنج پہنچاتی تھی۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ سوائے حج کے موقع پر قربانی کرنے کے کہ وہ امر شرعی ہے اور اس سے مجبوری ہے کسی جانور کو میں نے اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کیا۔ اور حج کے علاوہ بقر عید کو بھی یہ معمول تھا کہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے قربانی کرا دیتے تھے۔ اگر کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے کھانے کے لئے مرغ یا کوئی دوسرا جانور ذبح کیا جائے تو ارشاد ہوتا کہ میں نہیں کہہ سکتا۔ آپ کی نرم دلی کا جو عالم مساکین، محتاجین و پریشان حال لوگوں کو دیکھ کر ہوتا تھا اس کا ذکر تو احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

۳۔ عفت

عفت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی بُری خواہشوں کو اتنا دبائے کہ وہ اس کے قابو میں آجائیں اور جب یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان میں بعض خصوصیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔ جن کی حکماء نے بارہ قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) حیا (۲) رفق (۳) حسن ہدیٰ (۴) مسالمت (۵) وعت (۶) صبر (۷) قناعت (۸) وقار (۹) ورع (۱۰) انتظام (۱۱) حریت (۱۲) سخاء۔

حیا:۔ حضرت مولاناؒ کی یہ حالت تھی کہ بُری باتوں سے نفرت اور اُن سے بچنے کی خواہش آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی بُری حرکت کا ذکر کرتا تو آپ کو اس کا سُننا بھی گوارا نہ ہوتا اور اگر آپ کا کوئی مرید یا طالب کوئی غلط کام یا بُری حرکت کر بیٹھتا اور آپ پر از راہِ کشف وہ ظاہر ہو جاتا تو آپ کی یہ حالت ہوتی کہ اس شخص سے آنکھ نہ ملاتے تھے۔

کرم بیں و لطفِ خدا وند گار گنہ بندہ کردست اوشرمسار

اور جب وہ توبہ کر لیتا تو اس پر بدستور مہربانی فرماتے۔

رفق:۔ رفق و مہربانی کی صفت حضرت مولاناؒ میں اس حد تک تھی کہ دن رات میں کوئی فعل بھی آپ سے ایسا سرزد نہ ہوتا تھا جو بندگانِ خدا کے فائدہ یا اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے خلاف ہو۔ آپ کا معمول تھا کہ جو شخص سوال کرتا آپ اس کا جواب فوراً عنایت فرماتے تاکہ اسے

انتظار کی تکلیف نہ ہو۔ اگر پوچھنے والا شریعت اور طریقت کی بات دریافت کرتا تو نہایت نرمی اور محبت سے اس کا جواب ایسا دیتے کہ ذہن نشین ہو جاتا۔ اور اگر دنیاوی ضرورت کے لئے آتا تو جو کچھ موجود ہوتا اس کو دیدیتے۔ ورنہ زبان سے دعا فرماتے کہ اللہ دینے والا ہے۔ چنانچہ جب اول لکھنو شریف میں تشریف لائے تو کسی شخص نے آپ کی نرم دلی کو دیکھ کر یہ خواہش کی کہ فلاں امیر کے نام رقعہ سفارش عنایت فرمادیں۔ آپ نے اسکو رقعہ لکھدیا اور اس کا کام ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی فرمائش شروع کی۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت آئی کہ کوئی وقت بھی ایسا نہ جاتا تھا کہ دو چار آدمی سفارشی خطوط کے لئے حاضر نہ ہوتے ہوں۔ جب لوگوں کو سفارشی خطوں کے لکھے جانے کا طریقہ معلوم ہو گیا تو اپنے ہاتھ سے بھی لکھ کر امراء کے پاس لے جاتے تھے بعض صاحبوں نے ایسا کیا کہ اپنا آدمی بھیج کر حضرت مولاناؒ سے تصدیق چاہی کہ رقعہ آپکا ہے یا نہیں؟ حضرت نے اس انداز سے جواب دیا کہ جھوٹ بھی لازم نہ آئے اور رقعہ بھی جعلی نہ ٹھہرے۔ یعنی کہہ دیا کہ رقعہ میرے نام سے گیا ہے۔ اگر اس کا کام ہو جائے گا تو مجھے خوشی ہو گی اور آپ کا احسان ہو گا۔

حُسنِ ہُدیٰ:۔ حسنِ ہُدیٰ کی صفت میں حضرت مولاناؒ کا یہ مرتبہ تھا کہ علوم ظاہر و باطن میں جو کمالات آپ کو حاصل ہوئے تھے اس کا باعث نہ تو آپ کا کوئی عزیز ہوا اور نہ کوئی بزرگ، بلکہ آپ خود اپنے نفس کی ہدایت اور توفیق الٰہی سے اس مرتبہ پر پہنچے اور ہمیشہ اس کوشش میں مصروف رہے کہ تہذیبِ نفس اور خصائل محمودہ میں خود اپنی طبیعت سے مزید ترقی کی جائے چنانچہ مشہور ہے کہ اللہ والوں کی سب سے بہتر عبادت ذکر ہے اور اس کی تقسیم یوں کی گئی ہے کہ زبان سے ذکر اور دل سے ذکر۔ لیکن حضرت مولاناؒ فرماتے تھے یہ سب ذکر شرکِ خفی سے خالی نہیں۔ یعنی جب تک کہ ذکر کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں موجود ہوں اور زبان سے یا دل سے میں اللہ کا ذکر کرتا ہوں اُس وقت تک ذکر کرنے والا خود بھی حالتِ شرک سے باہر نہیں نکلتا ہے۔ میرے نزدیک ذکر یہ ہے کہ انسان خود اپنے کو بھول جائے اور "واذکُر ربک اذانسیت" اس کا شعار ہو جائے۔

مسالمت:۔ حضرت مولاناؒ کے مسلک سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے جب اُن صوفیاء کے باہمی اختلافات پر غور فرمایا جو متکلمین کے مقلد ہوئے ہیں تو اپنے لئے ایسا مسلک اختیار کیا کہ جس سے شریعت و طریقت دونوں میں پوری مطابقت ہو جاتی ہے جب کہ وہ صوفیاء جو متکلمین کے

مقلد ہیں وہ اس بارے میں عاجز رہے اور اپنے مذہب و مشرب کو قرآن و حدیث کے مطابق پیش نہ کر سکے تو اُنہوں نے اپنی تحریروں میں عدم توفیق کا عذر کیا اور لکھا ہے کہ شریعت کا راستہ دوسرا ہے اور طریقت کا راستہ دوسرا۔

وعت و ریاضت :۔ وعت و ریاضت حضرت مولانا قدس سرہ کی اس مرتبہ کی تھی کہ آپ کی تمام عمر نفس کی خواہش کے خلاف گزری اور کبھی خواہشاتِ نفسانی کے پابند نہ ہوئے۔

صبر :۔ صبر کا یہ عالم تھا کہ آپ نے غور و فکر کے بعد یہ سمجھ لیا کہ کھانے کی چیزوں میں جو کچھ لذت ہے وہ شیرینی یا نمکینی پر منحصر ہے اس لئے آپ نے دونوں کو چھوڑ دیا اور صرف روٹی بے نمک دال اور سادہ دودھ یا دہی پر اکتفا فرمایا۔ فرماتے تھے کہ صبر سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔ چنانچہ مولوی معنویؒ فرماتے ہیں ؎

صبر کردن جانِ تسبیحات تست
صبر کن کان ست تسبیح درست

قناعت :۔ حضرت مولاناؒ کی قناعت کا یہ حال تھا کہ کھانے پینے اور پہننے میں جو کچھ میسر ہوتا اُسی سے آپ کو آرام اور راحت ہوتی اور کبھی کسی کمی بیشی یا تبدیلی کی خواہش پیدا نہ ہوتی چنانچہ بچپن میں وقت مقررہ پر گھر میں جاتے اور جو کچھ کھانے کو مل جاتا کھا لیتے، اگر اس وقت کچھ موجود نہ ہوتا تو پھر نہ مانگتے اور ماں باپ جو کچھ اچھا بُرا کپڑا بنا دیتے پہن لیتے۔ جوانی میں جو طالب علمی کا زمانہ تھا یہ ہی حال رہا کہ جو مل گیا وہی کھا لیا اور پہن لیا۔ عالم پیری میں اگرچہ اللہ کے فضل سے کھانے اور پہننے کی ہر چیز میسر رہی لیکن کبھی اپنی طرف سے کسی چیز کی فرمائش نہیں کی۔ کھانے کا تو وہی معمول تھا کہ جو سامنے آیا کھا لیا اور پہننے کا بھی یہ حال تھا کہ جو کپڑا تیار ہو گیا پہن لیا خواہ پسند ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ ایک روز بادشاہ بیگم کی ایک خواص حاضر ہوئی اور ایک رضائی جس پر گوٹہ لگا ہوا تھا پیش کی اور عرض کیا کہ بیگم صاحب نے کہا ہے کہ میری خوشی اس میں ہے کہ حضور اس کو استعمال فرمائیں۔ اُس کے سامنے حضرت مولاناؒ نے وہ رضائی اوڑھ لی۔ تھوڑی دیر بعد میاں فتح علی شاہ صاحب سے کہا کہ اس رضائی سے سردی نہیں جاتی اس پر میرا کمبل ڈال دو میاں فتح علی شاہ صاحب نے وہ کمبل سیاہ و سفید اُون سے چار خانہ دار بنا ہوا تھا اور جس کو جاڑوں میں حضرت مولاناؒ استعمال فرماتے تھے اُس رضائی پر ڈال دیا دیر تک دونوں کپڑے اوڑھے بیٹھے رہے صبح کو ایک سید صاحب تشریف لائے اور اس رضائی کو پسند کر کے

لے گئے۔ اسی طرح بی بی حیاتن جن کالقب مولائی تھا اور جو میاں نجابت علی صاحب قدس سرہ کی مریدہ تھیں اور جن کو اپنے پیرو مرشد کے فرمانے سے جناب مولاناؒ کی خدمت میں بڑی عقیدت ہو گئی تھی اور ہر روز بلاناغہ زیارت کے لئے حاضر ہوتی تھیں، عید کے روز آئیں۔ ایک ٹوپی گوٹہ کناری کے کام کی، مشروع کاپاجامہ اور کرتہ گریبان چاک تیار کر کے چار گھڑی رات گئے باقی تھی کہ حضرت مولاناؒ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اس کنیز نے یہ کپڑے اپنے ہاتھ سے تیار کئے ہیں اور یہ درخواست ہے کہ آپ انہیں استعمال فرمائیں اگرچہ حضرت مولاناؒ نے گوٹہ کی ٹوپی، مشروع کلپاجامہ اور اس وضع کا کرتہ تمام عمر نہیں پہنا تھا لیکن مولائی کی خاطر وہ تینوں کپڑے ہر چند کہ ان کی وضع وعادت کے خلاف تھے اُسی وقت پہن لئے۔ نماز فجر کے بعد ٹوپی عنایت احمد میاں کریم بخش کے لڑکے کو دے دی اور کرتہ پاجامہ رحیم بخش کو عنایت فرمایا

وقار:۔ وقار کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی چیز کی طرف رغبت یا خواہش پیدا ہوتی تو اس کے حاصل کرنے میں جلدی اور تیزی نہیں فرماتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے رکاوٹ یا دیر ہو جاتی تو فرماتے

دیر آید درست آید

۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں مسجد از سرِ نو تعمیر ہو رہی تھی، مسجد کا صحن بہت تنگ تھا مسجد کی دیوار کے نیچے ایک احاطہ منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں بہادر کا تھا۔ حضرت مولاناؒ کی کمال خواہش تھی کہ وہ زمین حاصل ہو جائے اور صحن مسجد میں شامل ہو جائے لیکن باوجود ہر طرح کی کوشش کے حکیم صاحب زمین فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اگر زمین سے مسجد کی وسعت اور نمازیوں کا آرام مقصود نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ اس کی خواہش میرے دل میں پیدا ہی نہ کرتا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ دو سال بعد وہ زمین خرید لی گئی اور مسجد کے صحن میں شامل ہو گئی۔

ورع و تقویٰ:۔ ورع و تقویٰ اس مرتبہ کا تھا کہ حضرت مولاناؒ ہمیشہ اعمال نیک اور افعال پسندیدہ کی طرف راغب رہے اور بچپن سے لے کر آخر عمر تک کبھی اس میں فرق نہیں آیا سچ بولنے کی عادت اس قدر پختہ تھی کہ تمام عمر کبھی جھوٹ زبان پر نہیں آیا۔ اور یہ اُن کی فطرت تھی کہ ابتداء عمر سے اس کا لحاظ فرماتے تھے چنانچہ یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک روز اپنے وطن میں اپنے چچا کے جوار کے کھیت سے جوار کی بال توڑ کر چند دانے اس میں سے کھالئے۔ اس علاقہ کا

دستور ہے کہ رعایا کی کھیتی کی حفاظت کے لئے حاکم کی طرف سے سپاہی مقرر ہوتا ہے۔ اگر کھیت کا مالک بھی اپنے کھیت کا ایک دانہ اُٹھا کر کھالے تو چور کی طرح پکڑا جاتا ہے چنانچہ سپاہی نے مجھ کو کھیت میں دیکھ کر گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ کہو دانہ کھایا یا نہیں؟ میں نے جو بات سچ تھی وہی کہہ دی کہ بیشک کھایا ہے۔ سپاہی نے چاہا کہ مجھ کو پکڑ کر لے جائے میرے بھائیوں نے یہ دیکھ کر اُس کی خوشامد در آمد کی اور کچھ دے دلا کر مجھے اُس سے چھڑا لیا۔

اکل حلال :۔ اکل حلال کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عمر ایک لقمہ بھی جس میں شبہ ہو قصداً آپ نے نہیں کھایا اگر ناواقفیت میں کبھی اتفاق ہوا تو فوراً متلی ہوئی اور سب نکل گیا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی بزرگ کے مزار پر موجود تھا۔ درگاہ کے خادم نے میرے سامنے پلاؤ لا کر رکھا میں نے کھالیا۔ فوراً ہی ایسا استفراغ ہوا کہ جو کچھ تھا سب نکل گیا تحقیق پر معلوم ہوا کہ کسی طوائف نے درگاہ میں نیاز دلائی تھی اور یہ پلاؤ بھی اسی کھانے کا تھا۔ اس کے بعد جب تک میں اس درگاہ میں رہا وہاں کا کھانا نہ کھایا۔

انتظام :۔ حضرت مولانا قدس سرہ کے مزاج میں انتظام سرائت کر گیا تھا یعنی آپ کے اوقات اور حرکات و سکنات سب سنت نبوی کے موافق ہوتے تھے چنانچہ دن رات میں جب کبھی آرام فرماتے تو بغیر اس کے کہ کوئی اشارہ کرے آپ خود بخود ٹھیک وقت پر بیدار ہو جاتے تھے اور اپنے معمولات میں مشغول ہو جاتے تھے اگر آسمان پر بادل ہوتا تو بھی نماز کا صحیح وقت بتا دیتے تھے اور تحقیق کرنے پر اس میں کوئی فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔

حریت :۔ حریت سے مراد یہ ہے کہ انسان اچھے طریقوں سے مال حاصل کرے اور اچھے کاموں میں صرف کرے اور بُرے طریقوں سے کمائی نہ کرے لہذا فرمایا کرتے تھے کہ زبان کی حُریت یہ ہے کہ پاک لقمہ ملے اور حلال کی روزی نصیب ہو لیکن جیسا کہ چاہئے یہ بہت مشکل اور دشوار ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کوئی کام یا حرفہ جانتا ہو اور اس ذریعہ سے اپنی ضرورت کے لائق بغیر دھوکہ اور فریب کے روزی کمائے لیکن میں اپنے لئے یہ بھی نہیں کر سکتا اس لئے فتوح غیبی پر توکل کیا ہے۔ اور فرماتے تھے کہ حریت میرے نزدیک یہ ہے کہ روح جسم کی قید سے آزاد ہو اور انسان اپنی ہستی کے تعین سے آزاد ہو جائے۔

سخا :۔ حضرت مولانا قدس سرہ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ فتوح میں آتا تھا اور آپ کو نذر کیا جاتا تھا اس کو اکثر سادات اور دوسرے ضرورتمندوں کو دے دیتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی

موجود نہ ہوتا تو شیخ ہینگا بقال کے پاس بھجوا دیتے تھے اس لئے کہ ان کی دوکان سے مہمانوں اور دوسرے لوگوں کا سامان خوراک منگایا جاتا تھا۔ بہر حال اپنی مِلک میں ایک حبّہ رکھنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ پندرہ سال سے سادات پنجاب، شیرازی و سبزواری لکھنو میں رہتے تھے اور حضرت مولاناؒ کی خدمت میں جو کچھ نقد و جنس آیا کرتا تھا وہ لے جایا کرتے تھے۔ جس روز کچھ نہ آتا تھا تو ان لوگوں کی خوراک کی قدر حضرت مولاناؒ قرض دِلا دیتے تھے اس کے علاوہ سیکڑوں روپیہ ان سادات کو اپنے مریدوں اور معتقدوں کو سفارشی خطوط لکھ کر دلوایا کرتے تھے اس پر بھی ان لوگوں کی طرف سے سخت گوئی اور زیادتی ہوتی رہتی تھی اور اس کو حضرت مولاناؒ اس حد تک گوارا فرماتے تھے کہ ایک روز جاڑوں کے موسم میں ان لوگوں نے آپ کے جسم مبارک سے سب کپڑے اُتار لئے اور اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ اور مجبور کیا کہ اپنے ذمہ دو سو روپے اور بطور قرض قبول کریں چنانچہ وہ بھی منظور فرمالیا اور پھر اس قرضہ کی ادائیگی کا تقاضا سادات نے نہایت شدت سے شروع کیا جب یہ بات محمد نذر علی خاں داروغہ سلطانی کو معلوم ہوئی جو آپ کے مرید تھے تو اُنہوں نے سو روپے بھیجے اور حضرت مولاناؒ نے اُسی وقت سادات کو تقسیم کر دیئے۔

سخاوت کا ایک جزو عفو ہے۔ اس معاملے میں حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ حالت تھی کہ باوجود اس کے کہ بدلہ لینے کی قدرت رکھتے تھے لیکن کبھی کسی کے ساتھ بُرائی نہیں کی۔ جس کسی نے قصور کیا اس کے لئے بھی یہ ہی چاہا کہ اس کے ساتھ احسان اور نیکی کا برتاؤ ہو چنانچہ حافظ عبدالغنی جو مثنوی خواں تھے اپنے کو طالبِ خدا کہتے تھے۔ بارہا ہتھیار لے کر مسجد میں حضرت مولانا کے سامنے آئے اور اُن کو منہ پر ملحد، غدار اور مکار کہا اور یہ بھی کہ میں اگر اپنی مراد کو نہ پہنچا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ لیکن کبھی حضرت مولانا قدس سرہ نے کوئی جواب اُن کو نہیں دیا اور برابر اس کا خیال رکھا کہ کہیں وہ فائدہ باطنی سے محروم نہ ہو جائیں۔

اسی صفت کے ساتھ مروت کا بھی درجہ ہے۔ اس کا یہ حال تھا کہ حضرت مولاناؒ اپنے خادموں اور مریدوں کی مرضی کو مقدم رکھتے تھے اور اپنی راحت و آرام اور خواہش کو اُن کی خاطر چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ ہمیشہ سے آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد تقریباً چار پانچ گھڑی رات گذر جانے پر آپ سو جاتے تھے اور اگر اُس وقت کسی دوسری طرف متوجہ ہو گئے تو پھر آدھی رات تک نیند نہیں آتی تھی اور آدھی رات کے بعد فجر تک اپنے اشغال میں جاگنا ضرور تھا۔ اسی طرح دن کو چار پانچ گھڑی دن چڑھنے پر نیند کا غلبہ ہوتا تھا اگر اس وقت آپ نہ

سو سکتے تو پھر تمام دن سونے کا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ اس عادت کے باوجود محض مروت میں بارہا ایسا ہوتا تھا کہ شروع رات میں جو دوست یا حاضرین جمع ہو گئے ان سے گفتگو میں مشغول ہو گئے اور دن میں سونے کا وقت نہ ملا اکثر اکثر ایسا ہوا کہ تین تین دن اور تین تین رات اسی طرح گزر گئے کہ نہ دن میں سو سکے اور نہ رات کو نیند آئی۔ اس پر اگر آپ نے افسوس بھی کیا تو محض اس سبب سے کہ تہجد کی نماز جو نیند کے بعد ہوتی وہ نہ ہو سکی۔

اسی ضمن کی ایک صفت تبتل ہے اس کا یہ حال تھا کہ حضرت مولاناؒ کی ذات مبارک کو اپنے افعال پسندیدہ اور اتباع سنت پر کبھی فخر نہیں ہوتا تھا اور معمولات طبیعت میں ایسے راسخ ہو گئے تھے کہ اگر کوئی امر شرعی مانع نہ ہوتا تو آپ ان کا ترک بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ جمعرات کو اصلاح بنواتے تھے اور جمعہ کو غسل فرماتے تھے اس کو کبھی کسی حالت میں خواہ مرض ہو یا مسہل یا کوئی اور عارضہ لاحق ہو ترک نہیں فرمایا۔ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر میں اپنے جسم کے آرام کی خاطر سنت نبوی کو ترک کروں تو کسی شدید مصیبت میں جو مرض سے بھی زیادہ سخت ہو گی مبتلا ہو جاؤں گا۔

یہ ہی حال مواسات کا تھا۔ یعنی دوستوں اور مستحقوں کی آمد اور ان کو معیشت کی سہولت فراہم کرنا یعنی مال لباس اور غذا میں اپنا شریک بنانا۔ اس کا یہ حال تھا کہ کھانے اور پہننے کی چیزوں میں جو اچھی چیز آتی رہتی تھی وہ اپنے خادموں کے لئے مخصوص فرما دیتے تھے اور اچھے کھانوں میں سے کوئی چیز کبھی اپنی زبان پر بھی نہ رکھتے تھے۔ اگر کبھی ایسا ہوا کہ کسی خادم نے پوری احتیاط کے ساتھ گھر کے گھی اور ہلکے نمک اور کم مٹھائی کی کوئی چیز تیار کی تو کبھی ذرا سی کھالی ورنہ نہیں۔ اور جب تک سب خادموں کے لئے جاڑوں کے کپڑے تیار نہ ہو جاتے خود اپنی جڑاول جو ردولی کے چودھری صاحبان بھیجا کرتے تھے استعمال نہیں فرماتے تھے۔ ایک سال حضرت مولانا قدس سرہ کو معلوم ہوا کہ میاں فتح علی صاحب کے چھوٹے بھائی رحیم بخش کو اپنا لبادہ اس لئے پسند نہیں ہے کہ اُس کی چھینٹ بُری ہے تو آپ نے فرمایا کہ اے رحیم بخش میرا لبادہ عمدہ چھینٹ کا ہے تو پہن لے اور اپنا لبادہ مجھے دیدے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت چند روز استعمال فرما کر اپنا لبادہ مجھ کو عنایت فرمائیں چنانچہ بعد کو یہی ہوا۔

سماحت بھی سخا کی ایک صفت ہے۔ اس کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت مولانا قدس سرہ کے تمام ملازم اور متوسل اپنی ضروریات کے مطابق مقرر رقم پاتے تھے لیکن بہار کے موسم میں فصلی

میوہ آپ بڑی مقدار میں خرید فرما کر مسجد کے رہنے والوں اور حاضرین و متوسلین کو ہر روز تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی طرح ہر سال جاڑوں کے موسم میں تین سو یا دو سو رضائیاں جو مختلف جگہ سے آتی تھیں سادات اور مسجد کے رہنے والوں یہاں تک کہ سقہ اور مہتر کو تقسیم ہوتی تھیں۔ اور اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اگر کوئی شخص باقی رہ جاتا تو رضائی کی قیمت آپ اپنے پاس سے عنایت فرماتے تھے۔

مسامحت بھی سخا کا اقتضاء ہے۔ اس کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت مولانا قدس سرہ کو اپنے کسی مخلص کی حاجت اور پریشانی کا پتہ چل جاتا تو مودی یا کسی دوسرے سے قرض منگا کر اس کی ضرورت کو پورا کرتے تھے اور بعد کو قرضہ کی اس رقم کو اپنی طرف سے ادا فرما دیتے کہ قرض ادا ہو گیا۔ اس کو اپنے کام میں لاؤ۔ قرض دینے کے بعد اسکا واپس لینا آپ کو سخت ناگوار ہوتا تھا۔

۴۔ عدالت

عدالت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تین صفات کا ذکر اوپر ہوا یعنی حکمت، شجاعت اور عفت میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے اور اس کی بارہ قسمیں ہیں۔

(۱) صداقت (۲) الفت (۳) وفا (۴) شفقت (۵) صلہ رحم (۶) مکافات (۷) حسنِ شرکت (۸) حسنِ قضا (۹) تودد (۱۰) رضا و تسلیم (۱۱) توکل (۱۲) عبادت و شکر۔

صداقت :۔ اس خصوص میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے دوستوں اور مریدوں کے آرام و راحت اور اسباب فراغت کی ہر ممکن کوشش فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ مرزا عبداللہ بیگ اپنے مرید صادق کی وجہ سے میاں نجابت علی شاہ صاحب مجذوب کے مقابلہ میں جو جو تکالیف جسمانی و روحانی آپ نے برداشت فرمائیں ان کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں۔ اسی طرح میاں عنایت احمد، حافظ امداد احمد و سرفراز احمد اور چودھری صاحبان ردولی سے ایسا دلی تعلق رکھتے تھے کہ اگر کوئی بات ان کی تکلیف یا پریشانی کی معلوم ہوئی تو آپ کھانا پینا بھول جاتے تھے اور جب تک ان کی مشکل رفع نہ ہوتی برابر پریشان رہتے تھے۔

الفت :۔ الفت کے معنی ہیں آپس میں ہم رائے ہونا اور ایک دوسرے کی اعانت کرنا خواہ وہ دنیا کے کاموں میں ہو یا آخرت کے حضرت مولاناؒ کو اعتقاد و محبت اولیاء اللہ سے اس درجہ تھا کہ اس کو جزو ایمان قرار دیتے تھے اور جس وقت بھی مراقبہ وغیرہ اپنے معمولات سے فراغت پاتے حالات بزرگانِ دین اور تذکرہ اولیاء میں وقت گزارتے۔

وفا:۔اس خصوص میں حضرت مولانا قدس سرہ کا یہ حال تھا کہ جب کسی شخص کو آپ نے کوئی خدمت سپرد فرمادی تو پھر کسی دوسرے سے ہر گز اس خدمت کو قبول نہ فرماتے تھے۔ جمعرات کو فتح محمد حجام موتراشی کے لئے حاضر ہوتا اور اصلاح بناتا تھا۔ اس نے ایک پنجشنبہ ناغہ کیا اور دو ہفتہ گزر گئے کہ خط نہ بن سکا۔ خدام نے عرض کیا کہ دوسرا حجام اس سے بہتر ہے اس کو اس خدمت کے لئے طلب فرمایا جائے لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جب تک فتح محمد خود جواب نہ دیدے میں کسی دوسرے حجام کو مقرر نہ کروں گا۔ اس لئے کہ میرے نزدیک بے وفائی کفر ہے۔ اسی طرح میاں اسد اللہ جو حضرت کے خاص مرید و شاگرد تھے پاؤں دبانے کی خدمت پر مامور تھے جب تک وہ نہ آجاتے حضرت آرام نہ فرماتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ عام طور پر ہر شخص پر ایسی شفقت فرماتے تھے کہ اگر کسی کو تکلیف میں دیکھ لیتے تو اس کا حال دریافت فرما کر اس کی تکلیف رفع کرنے کی کوشش فرماتے۔ اپنے خادموں اور متوسلوں کے معاملہ میں یہ حالت تھی کہ میاں فتح علی صاحب کا چھوٹا بھائی رحیم بخش بچپن سے حضور مولانا کی خدمت میں رہا اور پلا بڑھا تھا۔ اکثر بخار میں مبتلا رہتا تھا اطباء نے دق تجویز کی تھی اور حقیقت میں ایسا ہی تھا کہ کوئی دوا اثر نہ کرتی تھی۔ حضرت مولانا پر از راہِ شفقت اُس کی بیماری کا بہت اثر تھا۔ اللہ کی درگاہ میں آپ نے دعاء فرمائی اور عرض کیا کہ اے بارالہٰ! اگر اس لڑکے کی عمر تمام ہو گئی ہے تو میں اپنی بقیہ عمر اس کو دیتا ہوں، اس کو صحت عطا فرما۔ کچھ روز بعد خدا کی طرف سے اس دعا کے قبول ہونے کا آپ کو یقین ہو گیا اور بہت خوش ہوئے۔ رحیم بخش کو بلا کر کہا کہ جو تیرا جی چاہے کھا، اب تجھ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسی وقت سے صحت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور اس کے دوسرے روز کہ پیر کا دن تھا جناب مولاناؒ نے اپنے انتقال کی تیاری شروع کی۔ چنانچہ اسی روز فتح علی صاحب کو اجازت و خلافت عنایت ہوئی اور پھر اپنا کتب خانہ اور جو کچھ سامان تھا سب ان کے سپرد کیا اور کھلے الفاظ میں فرمایا کہ جو کوئی مجھ سے ملنا چاہے مل لے اور جو کچھ دریافت کرنا ہو وہ معلوم کرلے کہ میری عمر تمام ہوئی۔ اس بات کی شہرت جب شہر میں ہوئی تو ایک حشر برپا ہو گیا۔ اتوار کے بقیہ دن میں اور دوشنبہ کی تمام رات خلقت کا. زیارت اور بیعت کے لئے ہجوم رہا لیکن اس کے بعد ایک سال اور چند مہینے اللہ تعالےٰ کے فضل سے آپ اور زندہ رہے۔

صلۂ رحم:۔ حضرت مولانا قدس سرہ کی طبیعت میں صلۂ رحم اس درجہ کا تھا کہ ہمیشہ اپنے والدین کے احسان کا ذکر فرماتے تھے کہ اُنہوں نے مجھے سفر کی اجازت دی۔ اگر وہ اجازت نہ

دیتے تو میں سفر نہ کرتا اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا وہ حاصل نہ ہوتا اور اگرچہ ابتداء عمر سے کبھی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہیں ہوا اور ان کے ساتھ صلۂ رحم کا برتاؤ نہ کر سکے لیکن جو شخص بھی آپ کے وطن سندھ یا اس کے قرب وجوار سے آجاتا تو آپ اُس کی ہر طرح کی خدمت اپنا فرض سمجھتے تھے۔

مکافات :۔ مکافات کا یہ حال تھا کہ جس کسی نے مدت العمر میں تھوڑا سا سلوک واحسان بھی آپ کے ساتھ کیا ہمیشہ اس کا لحاظ فرماتے تھے چنانچہ اپنے زمانۂ سیاحت میں تین مہینہ سلون میں قیام کا اتفاق ہوا تھا اور حضرت شاہ عطا کریم صاحب کی سرکار میں راحت اور ہر قسم کا آرام پایا تھا لہذا ہمیشہ اس کا ذکر شکر گزاری سے فرماتے رہے۔ اور ان کے مرتبہ وعزت کی ترقی کے لئے اور ان کے جو معاملات سرکار میں دائر ہوتے تھے ان کی کامیابی کے لئے کوشش فرماتے رہے۔

حُسنِ شرکت :۔ دوسروں کے کاموں میں شریک ہونے کا مادہ اس حد تک تھا کہ اگرچہ اپنی ضرورتوں میں یا اپنے متوسلوں کے مصارف کی غرض سے کیسی ہی شدید ضرورت قرض لینے کی ہو لیکن جناب مولاناؒ کبھی ایک پیسہ کسی سے قرض لینا گوارا نہ فرماتے تھے حالانکہ اکثر لوگ صدہا روپیہ قرض دینے کی تمنا میں رہتے تھے لیکن آپ اپنے مودی سے صرف اسی مقدار میں جتنا کہ ہر مہینہ اس کو دیا جاتا تھا لے لیتے تھے اور اگر ایک مہینہ کی برداشت کی رقم ادا نہ ہوئی تو اگلے مہینہ اس سے جنس لینا بھی موقوف فرمادیتے تھے۔ چنانچہ اس مضمون کا ایک واقعہ بھی بیان فرمایا کہ سیاحت کے زمانے میں ایک مرتبہ خرچ کی بہت تکلیف ہوئی۔ ایک شخص کو پتہ چل گیا۔ اُس نے پانچ روپے دیئے اور کہا کہ جب آپ کے پاس ہوں دیدیجئے گا اور اگر آپ نہ دینا چاہیں تو میں نہ دنیا میں طلب کروں گا اور نہ آخرت میں۔ اس پر بھی میں نے قرض لینا گوارا نہیں کیا وہ شخص کہنے لگا کہ اگر اس شرط سے بھی آپ نہیں لیتے ہیں تو کیا آسمان سے روپیہ آکر گرے گا۔ اتفاقاً اُسی روز ایک شخص آیا اور اُس نے پانچ روپے نذر کیے۔

حُسنِ قضا :۔ حضرت مولانا قدس سرہ کا یہ عالم تھا کہ جس کسی کے ساتھ آپ سلوک و احسان فرماتے اگر اس کی طرف سے کبھی شکر گزاری واحسان مندی کا ذکر ہوتا تو آپ کو ناگوار ہوتا اور فرماتے کہ اے عزیز! یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز اللہ نے تجھے دی ہے۔ میں تو خود محتاج ہوں دوسرے کو کیا دوں گا اور ہمیشہ یہ نصیحت فرماتے تھے کہ اپنے نیک کاموں پر نظر رکھنا بُرے کام کرنے سے بدتر ہے۔ خیرات اور نیکی کا جو اثر نہیں ہوتا وہ بھی اسی وجہ سے ہے۔

تَوَدُّد :۔ سادات کی عزت و حرمت اور بزرگوں کی اولاد کی تعظیم نہایت خندہ پیشانی سے فرماتے تھے اور جو کچھ موجود ہوتا وہ اُن کے مرتبہ کے مطابق ان صاحبوں کو پیش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی قطب صاحب جو حضرت غوث الثقلین علی نبینا و علیہ السلام کی اولاد میں تھے ملاقات کے لئے آتے تو اپنا مصلّٰی اُن کے لئے خالی فرمادیتے تھے اور دو روپیہ منگا کر اُن کو نذر پیش کرتے تھے۔ اسی طرح شاہ فقیر احمد صاحب سجادہ حضرت شیخ العالم مخدوم احمد عبدالحق قدس سرہ کہ حضرت مولاناؒ کے شاگرد بھی تھے اور شاہ ہدایت احمد اور دیگر سرے صاحبزادگان ردولی شریف جب کبھی آتے اور سلام کرتے تو آپ جواب میں فرماتے "سراپا سعادت" اور نہایت خوش ہوتے۔ اسی طرح صاحبزادگان حضرت قطب صاحبؒ کی تعظیم و تکریم بجالاتے۔

رضا و تسلیم :۔ اس خصوص میں حضرت مولاناؒ کا یہ حال تھا کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل نہایت خوشی و مستعدی کے ساتھ کرتے تھے اور اگر کوئی عذر ہوتا اور اس صورت میں رخصت شرعی بھی ہوتی تب بھی آپ اس کام کو نہ چھوڑتے حتی کہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا موسم تھا صفرا کے سبب سے تمام دن پیاس کی شدت منہ میں کڑواہٹ اور ضعف و بیچینی وغیرہ مختلف تکلیفیں رہیں اور ایسا حال ہو گیا کہ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ شام تک زندہ رہنا مشکل ہے لیکن مولاناؒ شاکر اور خوش رہے اور فرماتے تھے کہ یہ تکلیف میرے لئے باغ و بہار ہے اور اس کا لطف میں بیان نہیں کر سکتا اسی طرح جب بھی کوئی تکلیف و زحمت پیش آتی اس کو اللہ کا احسان اور عین کرم تصور فرماتے ؎

ناخوشِ دے خوش بود برجانِ من جاں فدائت یار دل رنجانِ من

توکل :۔ توکل کا یہ عالم تھا کہ اپنے کو ہر حیثیت سے اللہ کے حوالہ کر کے کارخانۂ تقدیر کا تماشہ دیکھتے تھے اور سوائے الفاظ کلام مجید واحادیث شریف اور ادعیہ کے کبھی زبان مبارک سے ایسے الفاظ نہ فرماتے تھے کہ جس میں جنت کی خواہش یا دوزخ سے نجات کی تمنا ہو۔ اور جو کچھ غیب سے ظاہر ہوتا تھا اسی پر خوش رہتے اور اس میں کمی بیشی یا تعمیل و تاخیر کی خواہش نہ فرماتے اور دین دنیا کے ہر کام کے لئے آیۃ کریمہ وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ورد زبان رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے نزدیک اپنے کاموں کو اللہ کے سپرد کرنے سے بہتر کوئی دعا نہیں ہے۔

و علی اللہ فلیتوکل المئومنون ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

عبادت و شکر:۔ حضرت مولانا قدس سرہ کی عبادت و شکر کی یہ کیفیت تھی کہ احکام شریعت کی پابندی اور اتباع سنت اور اس کے التزام کے علاوہ حق سبحانہ تعالیٰ اور انبیاء علیم السلام اور دوسرے بزرگان و اولیاء اللہ کی بزرگی و تعظیم ان کی زندگی میں بس گئی تھی اور باوجود اس کے کہ عبادت کی حقیقت اور طاعت کی اصل تک ان کی نظر پہنچتی تھی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ ظاہری احکام شریعت کی تعمیل میں سر مو فرق ہو جائے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ وضو کے لئے مسح کرنے میں اختلاف ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور امام مالکؒ پورے سر کا مسح فرض قرار دیتے ہیں۔ جناب مولاناؒ حنفی تھے لیکن غائیت احتیاط میں امام مالکؒ کے مذہب پر پورے سر کا مسح فرماتے تھے مقصد یہ تھا کہ وضو کی طہارت میں کوئی اختلاف نہ رہے اور فرماتے تھے کہ طہارت کی نیت دل سے ہوتی ہے۔ اس طرح کہ استنجا کرو تو غیر کا تعلق اپنے اندر سے نکال دو۔ جب ہاتھ پر پانی ڈالو تو دنیا کی محبت سے ہاتھ اٹھالو، جب کلی کرو تو اپنا منہ دوسرے ذکر سے خالی کر دو، جب ناک میں پانی ڈالو تو نفس کی خواہش اپنے اوپر حرام کر لو، اور جب چہرہ پر پانی ڈالو تو ہر طرح کی لگاوٹ اور تعلق سے منہ پھیر لو اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اور جب کہنی تک ہاتھ دھولو تو اپنے سب مددگاروں اور ہمدردوں سے بے تعلق ہو جاؤ جب سر کا مسح کرو تو سمجھو کہ اپنے کام اللہ کو سونپ دیئے، اور جب پانوں دھولو تو بجز اللہ کے حکم کے کسی بات پر نہ ٹھہرو۔ اس نیت سے وضو کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے آپ کو مذبوح یا مقتول تصور کر کے ایسا سمجھو کہ اپنا کوئی وجود ہی باقی نہیں اور لاشے محض ہو۔ یہ تھی حقیقت آپ کے عبادت و شکر کی۔

اس کے بعد اس کا بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ مولاناؒ پر اشارت و غربت کی منزل میں کیا گزرا۔ جناب مولانا قدس سرہ خدا کی طلب میں جن متبرک مقامات پر مثلاً اجمیر شریف پاکپٹن شریف اور پیران کلیر شریف حاضر ہوئے تو برابر روزہ رکھتے اور خاموش رہتے تھے اور ضرورت ہوتی تو اشارہ فرماتے اور کبھی کبھی اپنے خاص خادموں کو اشارہ غیبی کا پتہ بھی دیتے تھے چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ میاں فتح علی صاحب کو خبر دیدی کہ آج فلاں قسم کی فتوح آئے گی یا فلاں شخص مہمان آئے گا اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ اور اگرچہ جناب مولاناؒ کو ہر پیش آنے والی اور گزری ہوئی بات کا علم ہو جاتا تھا لیکن آپ اکثر اس کو ظاہر نہ فرماتے تھے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

لیکن اگر کسی طالب کو راز داری کا اہل سمجھتے تو کبھی کسی معاملہ کو مصلحت دیکھ کر اس پر ظاہر بھی فرمادیتے تھے۔ چنانچہ مرزا عبداللہ بیگ صاحب نے بیان کیا کہ ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ کسی کامل کی تلاش میں کسی دوسری جگہ جانا چاہیئے۔ حضرت مولانا قدس سرہ کو میرے اس خیال کا اشارہ ہو گیا۔ میں چلنے لگا تو آپ اس وقت دوسری جانب کھڑے تھے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ تو کس خیال میں پڑا ہے اگر شرق سے غرب تک بھی تلاش کرے گا تو مجھ جیسا کوئی نہ پائے گا۔

آں کس است اہلِ بشارت کہ اشارت داند
نکتہ ہاہست بسے محرمِ اسرار کجا است

غربت :۔ حضرت مولانا قدس سرہ کی غربت کا یہ عالم تھا کہ انیس برس کی عمر سے اپنے عزیز واقارب اور وطن سے جدا ہو کر مسافرت وغربت کی تکلیف اختیار کی تھی۔ مسجد کو اپنا گھر بنالیا تھا اور تمام عمر زمین ہی پر بیٹھے اور سوئے اور کبھی تخت یا چارپائی پر پانوں نہیں رکھا۔ بلا ضرورت شرعی مسجد سے باہر قدم نہ نکالا چنانچہ مسجد پنڈائن کے قیام کے زمانے میں تمام عمر یہ معمول رہا کہ ہر سال صرف دو مرتبہ ۲۷۔ صفر کو کہ حضرت مخدوم شاہ مینا صاحبؒ کا عرس ہوتا ہے باہر جاتے تھے اور ابتداء میں جب کہ مسجد کا دروازہ چھوٹا تھا اور جنازہ اس میں نہیں آسکتا تو صرف نماز جنازہ کے لئے باہر آجاتے تھے۔ اکثر بارگاہ الٰہی میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا مجھ کو اپنے عزیزوں سے دور اور مجبور رکھ کہ بجز تیرے میرا کوئی ولی اور والی یا عزیز و قریب، ہمدرد اور دوست نہ ہو۔ یہاں تک کہ مجھ کو اپنے سے بھی گم کردے تاکہ میرے لئے جو کچھ رہے وہ تو ہو۔ ایک دن محفلِ سماع میں مرزائی قوال نے حافظ شیرازیؒ کی یہ غزل گائی۔

کسے مباد چو من خستہ مبتلائے فراق کہ عمر من ہمہ بگوشت در بلائے فراق
من از کجاو فراق از کجا و غم ز کجا مگر بزاد مرا ما در از برائے فراق
غریب وعاشق ومسکیں فقیر وسرگرداں کشیدہ محنت لیام درد ہائے فراق

حضرت مولانا قدس سرہ پر اس مضمون سے عجیب کیفیت طاری ہوئی اور سب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور یہ خیال ہوا کہ غزل کا مضمون مولاناؒ کے حسبِ حال ہے۔ اس وقت جو کچھ حاضرین کے دلوں پر گزرا سو گزرا۔

فقر وزہد

حجتہ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ نے فقر وزہد کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ فقیر وہ ہے جو اپنی حاجت کی کسی چیز کا مالک نہ ہو (کہ جو چیز اُس کے پاس نہ ہو اس کی اسے حاجت ہو)۔ اور آدمی کو اول اپنے وجود کی حاجت ہے اس کے بعد غذا کی اور پھر مال کی اس کے بعد اور دوسری چیزوں کی۔ لیکن اس کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے اور وہ ان میں سے ہر چیز کا ضرورتمند ہے اور غنی وہ ہے کہ اپنے وجود کے علاوہ کسی اور چیز کی اسے ضرورت نہ ہو اور وہ صرف ایک ذات ہے "سبحانہ تعالیٰ" اس کے علاوہ جو کوئی بھی پیدا ہوا انسان، جن، فرشتے، شیاطین، ان سب کا وجود اور ان کی زندگی خود ان کے وجود سے نہیں ہے۔ اس لئے حقیقت میں وہ سب فقیر ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ غنی وانتم الفقراء بے نیاز صرف ذاتِ باری ہے اور تم سب فقیر ہو۔ لیکن فقر کا لفظ اہلِ تصوف کی زبان میں اُس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں یہ صفات پیدا کرے اور یہ حالت اُس پر طاری ہو جائے کہ جاننے لگے کہ وہ کچھ نہیں رکھتا ہے اور کوئی چیز اس کی اپنی نہیں ہے نہ اس جہان میں اور نہ اُس عالم میں، نہ آج اور نہ کبھی گویا ہمیشہ کے لئے۔

فقیر کی حالت تین قسم کی ہوتی ہے، ایک وہ کہ مال تو نہیں رکھتا لیکن جتنا چاہے مانگ سکتا ہے، اس کو دولت کا فقیر کہتے ہیں۔ دوسرے وہ کہ مانگتا نہیں اور اُس کو دیا جائے تو لیتا نہیں اُس کو زاہد کہتے ہیں۔ تیسرے وہ کہ جو نہ مانگتا ہے نہ رد کرتا ہے، اگر دیتے ہیں تو لے لیتا ہے اور اگر نہیں تو خوش رہتا ہے اُس کو فقیر قانع کہتے ہیں۔ (ختم ہوئی تقریر امام غزالی)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا رضی اللہ عنہ درویش زاہد بھی تھے اور فقیر قانع بھی۔

فقر :۔ فقر کا تو یہ حال تھا کہ دنیا کی کوئی چیز بھی اُن کی ملکیت میں نہ تھی۔ بعض کتابیں قرآن شریف اور برتن وغیرہ جن کی ضرورت پیش آتی رہتی تھی جب کبھی اللہ عنایت کرتا تھا اسی وقت اپنے خادم و خانساماں کے حوالے کر دیتے تھے اور اس کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ زمانۂ طالب علمی سے ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء تک جس قدر کتابیں اور ضروری سامان مولوی رحمت بخش خانساماں کی تحویل میں تھا ان کے جانے کے وقت سب اُن ہی کو دے دیا اور فرمایا کہ سب تمہارا ہے۔ میری کوئی چیز نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی خوشی سے ایک قرآن شریف ایک مثنوی شریف اور قصیدہ بردہ چھوڑ دیا تھا۔ دوسری مرتبہ حضرت نے وہ کتابیں اور

جو سامان اس کے بعد جمع ہوا تھا میاں فتح علی صاحب کو جو رحمت بخش کے قائم مقام تھے عنایت کر دیا جب کبھی کوئی چیز فتوح میں آتی تو اس کو ایک گھڑی بھی اپنے پاس رکھنا گوارا نہ فرماتے تھے اور جس روز کچھ نہیں آتا تھا تو نہایت خوش ہوتے تھے۔ افلاس، تنگدستی اور ناداری کو اتنا عزیز رکھتے تھے کہ جتنا دنیا والے خزانہ اور مال و دولت کو۔ اور ارشاد فرماتے تھے ؎

جملۂ ناز و نعیم ایں جہاں ؎ بس خوش است از دُور پیش از امتحاں
می نماید در نظر از دور آب ؎ چوں روی نزدیک آں باشد سراب

زہد:۔ حضرت مولانا قدس سرہ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ دنیا اور اسبابِ معیشت سے طبعی نفرت رکھتے تھے اور بالکل بے تعلق تھے اگرچہ ارکانِ سلطنت لکھنو اور بعض معتقد جو سرکار نظام حیدر آباد سے متعلق تھے نیز سرکار انگریز کے مرید و متوسل سب یہ تمنا رکھتے تھے کہ کوئی رقم حضرت کے مصارف کے لئے معیّن کر دیں مگر آپ نے کبھی گوارا نہ فرمایا۔ اسی طرح دنیادی سامان کا حال تھا کہ باوجود اس کے کہ قیمتی چیزیں حاصل ہو سکتی تھیں اور ہوتی بھی تھیں لیکن آپ نے اپنے لئے ہمیشہ معمولی اور ادنیٰ چیزوں پر اکتفا فرمایا ہمیشہ مٹی کے برتن میں وضو کرتے رہے اور ایسے ہی مٹی کا برتن اگالدان کے طور پر استعمال کرتے تھے بعض مریدوں نے تانبہ اور پیتل کے اگالدان نذر کئے لیکن آپ نے کبھی اُن کو استعمال نہیں کیا اور یہی فرمایا کہ مجھے مٹی کا ٹھیکرا پسند ہے۔ آخر زمانہ میں جب کسی خادم نے مٹی کے برتن کی بجائے اگالدان رکھ دیا یا تانبہ کا طشت پیش کیا تو اُن کی خاطر سے کچھ دن اس کو استعمال بھی کر لیا لیکن کبھی اپنی زبان سے طشت یا اگالدان نہیں کہا۔ ہمیشہ ٹھیکرا ہی فرماتے تھے۔

یہ چند صفات جن کا ذکر کیا گیا عام لوگوں کی معمولی سمجھ کے اعتبار سے ظاہر کی گئی ہیں۔ ورنہ اگر اس وحید زماں اور فرید دوراں کے مقامات فقر و ترک اور تجرید کا ذکر کیا جائے تو احاطۂ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتے۔

گر بگویم وصف آں عالی مقام
صد قیامت بگزرد دیں نا تمام

مسئلہ توحید

مزارات سے فیض : حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھ کو زندہ بزرگوں کی نسبت اہل اللہ کے مزارات سے زیادہ فیض حاصل ہوا ہے۔ ابتداء میں بزرگانِ دین مثلاً جنیدؒ و شبلیؒ و مولانا جامیؒ و فرید الدین عطارؒ کی تصانیف اور کلام سے فائدہ اُٹھایا اور یہ محسوس کیا کہ یہ حضرات بھی وحدت وجود کے قائل تھے اور خود میری طبیعت بھی اسی طرف مائل تھی۔ لیکن علماء ظاہر کے کلام سے ایسا نظر آتا تھا کہ یہ عقیدہ تعلیمات قرآن وحدیث کے مطابق نہیں ہے اسی لئے مجھے بھی تردد پیدا ہوتا تھا۔ لیکن پھر سوچتا تھا کہ اتنے بڑے اولیاء اللہ کیوں کر قرآن وحدیث کے خلاف جاسکتے ہیں۔ اور خیال ہوتا تھا کہ شاید آخر عمر میں اپنے عقائد سے توبہ کرلی ہو۔

مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں پہلی مرتبہ خانقاہ حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ میں حاضر ہوا تو اول مجھ کو روح مبارک حضرت محبوب الٰہی سے توحید کے مسئلہ میں رہنمائی حاصل ہوئی اور وہ اس طرح کہ میاں مجیب[1] الدین نام درگاہ کے خادموں میں سے ایک طالب علم تھے جو حضرت مولانا فخر الدین محمد قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ بھی تھے وہ میرے شاگرد ہوئے اور ایک روز ایک رسالہ دس ورق کا جس کا نام مقدمۃ الشہود تھا اپنے گھر سے لائے اور مجھے دیا اور یہ بیان کیا کہ ایک دن حضرت مولانا فخر الدین محمد صاحبؒ نے یہ رسالہ اس خادم کے سپرد کیا اور فرمایا کہ جب کبھی کوئی درویش صفت طالب علم اس خانقاہ میں آئے تو اس کو مطالعہ کرانا میرے خیال میں وہ درویش آپ ہی ہیں۔ فقط۔

میں نے اس رسالہ کو دیکھا۔ اس کے مقدمہ میں تمہید اس طرح کی گئی تھی کہ علم کا شرف موقوف ہے اس کے موضوع کے شرف پر اور اس کے مقصد کے شرف پر چونکہ علم

نوٹ: [1] یہ حضرت ابو بکر مُصلّی دار جناب محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے ہم جد اور خلیفہ کی اولاد میں سے تھے۔

سلوک کا موضوع ذاتِ حق سبحانہ تعالےٰ کی معرفت ہے اور غایت اس کی یہ ہے کہ شرک خفی و جلی سے نجات حاصل ہو اس لئے علم سلوک تمام علوم سے اشرف ہے۔ میں نے اس رسالہ کے موضوع اور اس غایت پر غور کیا اور موحدین کا مطلب پالیا اور سمجھ گیا لیکن عقل و نقل کے اختلاف سے پھر بھی حیرت میں رہا۔ تب مجھے خیال گزرا کہ معنی کلمہ طیبہ کے بھی یہی ہیں اور جب میں نے کلمہ کی ترکیب پر غور کیا تو جیسا کہ شرح ملا وغیرہ میں لکھا ہے۔ "الہ" کے وجود کی نفی سے گمان جھوٹ کا ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ لیکن غور و فکر کے بعد مضمون واضح ہوتا گیا اور بالآخر توحید بہ نفی غیریت میرے دل میں اُتر گئی آخر رفتہ رفتہ نوبت تحقیقات اور تصنیفات کی پہنچی۔ یہاں تک کہ میں نے رسالہ کاسرۃ الاسنان تصنیف کیا۔

تصنیفات: حضرت مولانا قدس سرہ سے جو شخص پوچھتا تھا کہ آپ ہمہ اوست حال میں کہتے ہیں یا قال میں۔ تو آپ اُس سے فرماتے تھے کہ میاں لاحول پڑھو' میں قال میں کہتا ہوں علاوہ اس کے اس کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر قیامت کے دن حساب و کتاب کے وقت کوئی معتقد اس عقیدے کا محض اس اعتقاد خاص کی وجہ سے ماخوذ ہوگا تو اُس کا میں ضامن ہوں۔ حضرت مولاناؒ نے اس موضوع پر چار رسالے تصنیف فرمائے۔

(۱) کلمتہ الحق (۲) جہد المقل (۳) مفتاح التوحید (۴) کاسرۃ الاسنان۔ اور ان رسالوں میں آیات محکمات واحادیث، قواعد فقہ واصول و معقول و منقول کی رو سے کلمہ **لاالہ الا اللہ** کے معنی لکھے ہیں۔ جس کا ماحصل وحدتِ وجود کا اعتقاد ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عقیدہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے خواہ وہ امّی ہو یا عالم۔ اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ مجھ کو اپنی کشف و کرامات کا مطلق دعویٰ نہیں مگر بعنایت الٰہی و بطفیل حضرت رسالت پناہی اس مسئلہ وحدتِ وجود میں دعویٰ رکھتا ہوں۔ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ حافظ شیراز علیہ الرحمتہ تو یہ فرماتے ہیں کہ ع

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ مسئلہ حل کر لیا اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حافظ علیہ الرحمتہ نے تو یہ کہا ہے کہ کسی شخص نے حکمت اور استعداد علمی سے اس معمہ کو حل نہیں کیا اور میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے میں نے یہ معمہ حل کیا ہے۔

جواب اعتراض: ایک روز کسی عالم نے مسئلہ وحدۃ الوجود پر گفتگو کی۔ جب قرآن و حدیث کے حوالہ سے دلیل و بحث ختم ہو گئی اور وہ قائل ہو گئے تو کہنے لگے اگر وحدتِ وجود درست ہے

تو سب آدمی اور سب جانور' کھانا اور چارہ وغیرہ کیوں کھاتے ہیں۔ ایک ہی آدمی کے کھانے سے سب لوگ شکم سیر کیوں نہیں ہو جاتے۔ اور سب آدمی اور جانوروں کے کھانے اور چرنے کی کیوں ضرورت پیش آتی ہے۔ حضرت مولاناؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے عزیز! تمہارے جسم کے اعضا کے الگ الگ نام ہیں۔ ہاتھ پیر انگلی وغیرہ اور ان سب اعضاء کو ملا کر تمہارا نام محمد علی یا احمد علی رکھا گیا۔ اگر تمہاری انگلی میں زخم ہو تو چاہئے کہ انگلی پر مرہم نہ لگایا جائے بلکہ کہیں بھی مرہم رکھ دینے سے زخم اچھا ہو جائے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ پھر اُس نے حضرت سے سوال کیا کہ جب تمام آفرینش ایک وجود ہے تو ماں' بہن اور بیوی میں کیوں فرق کیا جاتا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اس بات کو یوں سمجھنا چاہئے کہ مثلاً ہم نے تھان گزی کا خریدا اور اس میں ٹوپی، پاجامہ، انگرکھا اور جراب وغیرہ تیار کرائیں، اگر جراب کو سر پر اور ٹوپی کو پیر میں استعمال کیا جائے تو کیا حکم شرع کے خلاف ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ وہ تھان گزی کا اور ان کپڑوں کی اصل از روئے ذات ایک ہے لیکن ان کے استعمال میں جو فرق ہے اس کو حفظِ مراتب کہتے ہیں۔ یہ ہی صورت ماں، بہن اور بیوی کی ہے

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

اسی طرح تمام عالم، کامل اور ناقص نیک و بد سب ایک وجود واحد ہیں اور ہر ایک فرد کا عمل جدا جدا ہے جیسا کہ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں۔

او چو جان ست و جہاں چوں کالبد کالبد از جاں پذیرد نیک و بد

اس کے بعد وہ شخص کہنے لگا کہ آپ کامل ہیں۔ آپ کو وحدتِ وجود کا ماننا درست اور زیبا ہے مگر ناقص کو ایسی بات کہنا سراسر گناہگاری ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا فی الحقیقت کامل کا ہمہ اوست کہنا گفتار موافق کردار کے ہے اور ناقص کا کہنا گفتار موافق کردار کے نہیں ہے مگر اس کہنے سے ناقص بھی گناہگار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ سچی بات کہنے سے کوئی آدمی اللہ کے نزدیک گناہگار نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی رائے: قاضی عبدالکریم صاحب جن کا مزار رائے بریلی میں ہے حضرت مولانا صاحبؒ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ مولاناؒ کا رسالہ مسئلہ وحدتِ وجود میں آپ کی نظر سے گزرا تو آپ اسی وقت وہ رسالہ لے کر دہلی گئے اور مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی خدمت میں رسالہ پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے

رسالہ کو بغور ملاحظہ فرماکر ارشاد کیا کہ بات تو حق ہے لیکن خواص کے واسطے درست ہے اور عوام کے لئے نقصان دہ۔ چونکہ یہ اسرارِ الٰہی میں سے ہے۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ میں آپ سے یہی دریافت کرنے اتنی دور سے آیا ہوں اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس مسئلہ وحدتِ وجود کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

عوام اور وحدتِ وجود: قاضی صاحب وہاں سے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا قُدس سِرّہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کیفیت ملاقات حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی بیان کی حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ رسالہ کاسرۃ الاسنان میں اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ خدا زیادہ جانتا ہے یا تم۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر سے کہا ہے کہ **لاالآ الااللہ** اور اس کے کہنے میں کوئی قید خاص و عام کی نہیں لگائی اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کلمہ کو صرف خاص لوگوں تک محدود کر دیا جائے اور عام لوگ زبان سے نہ نکالیں بلکہ حکم دیا کہ بہ آوازِ بلند ہر شخص نماز میں اور منبر پر اشھدان لااله الااللہ کہے۔ جو لوگ خاص و عام کی قید لگاتے ہیں تو کیا وہ اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں۔ مولاناؒ نے مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ اسرار اُس کو کہتے ہیں جس کے واسطے دلائل نہ ہوں اور ہم نے مسئلہ توحید کو پورے اعلان کے ساتھ بہ دلائل آیات قرآن مجید اور احادیث شریف پیش کیا ہے۔ ہمارے رسالہ میں جو علمی بحثیں اصل و نقل سے کی گئی ہیں وہ آیاتِ قرآنی و حدیث نبوی اور ارشادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق ہیں البتہ ہم نے کاملین و ناقصین اور خاص و عام کا فرق نہیں کیا ہے۔ لیکن جو معنی بیان کئے ہیں وہ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور اس میں غیر اللہ کو محذوف قرار دیا ہے۔ یہ ہی رائے مولانا روم قدس سرہ کی ہے انھوں نے بھی مثنوی شریف میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

تیغ لا در قتلِ غیر حق برند
ور نگرزاں پس کہ بعد از لاچہ ماند
ماند الااللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

ترکیب معنی کلمہ طیّبہ: حضرت مولانا قدس سرہ نے کلمہ کے معنی اس ترکیب سے بیان فرمائے ہیں کہ لا الہ غیر اللہ الا اللہ نہیں ہے کوئی معبود ممکن غیر خدا مگر اللہ یعنی کوئی معبود

غیر اللہ نہیں ہے، بلکہ اللہ ہے یعنی جس چیز کو تم غیر اللہ جانتے ہو وہ غیر نہیں ہے بلکہ عین خدا ہے اس طرح عبارت النص سے معبود ممکن کی عینیت خدا سے ثابت ہے لیکن اگر معبود ممکن عین خدا ہو گیا تو دوسرے ممکنات جو معبود نہیں ہیں وہ بھی عین خدا ہوئے اس لئے کہ معبود ممکن اور ممکن غیر معبود میں کوئی فرق کرنے والی چیز حائل نہیں ہے اس لئے کہ ہر کوئی ممکن معبود و غیر معبود سے جدا نہیں ہے اور وہ دونوں موجود کے لفظ میں جمع ہیں پس دلالتہ النص کے اعتبار سے کلمہ کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی موجود غیر خدا نہیں ہے بلکہ خدا ہے اور اسی کا نام وحدتِ وجود ہے یعنی ہمہ اوست۔

چونکہ حضرت مولاناؒ نے کلمہ طیبہ کی شرح علمی حیثیت سے کی ہے اور قرآن وحدیث کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے اس لئے اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اُن کے مصنفہ رسائل کا مطالعہ ضروری ہے، البتہ اِس مسئلہ کی نوعیت اور علماء کے اختلاف کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے نور مطلق شرح کلمتہ الحق کا وہ مقدمہ جو مولوی نور اللہ صاحب نے لکھا ہے، اہل ذوق کی تسکین کے لئے کافی ہے اور اس موقع پر بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

مقدمہ کلمتہ الحق از مولوی نور اللہ صاحب قدس سرہٗ

اس ذکر کے بعد بندہ نور اللہ ولد مقیم الدین ساکن قصبہ اعظم پور متعلقہ سرکار سنبھل مضافات دارالخلافہ شاہجہاں آباد (دہلی) جس نے اربابِ حق و یقیں سے استفادہ کیا ہے تمام صاحب شعور عقلمندوں اور بالخصوص تمام مسلمانوں کی خدمت عالی میں التماس کرتا ہے کہ ہر زمانہ میں اہلِ مذہب کے نزدیک اجتماعی طور پر اور اہل حق کے نزدیک متفقہ طور پر مشہور و مسلم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اب تک ظلمت کفر اور نور اسلام کے درمیان فرق کرنے والی کوئی چیز کلمہ طیبہ کے سوا نہیں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف میں ہے "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر (منحصر) ہے۔" ایمان کا رکنِ اعلیٰ اور ستون اولین خدا کی وحدانیت و یکتائی پر زبانی نہیں بلکہ یقین کے ساتھ شہادت دینا سمجھا جاتا ہے۔ لہذا حامیان اسلام پر سب سے پہلے کلمہ طیبہ کے اندر غور و فکر کرنا واجب (لازمی و ناگریز) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ حق کے نزدیک لا الہ الا اللہ کی جو حقیقت ہے اس کو تمام مسلمانوں میں سے چند گنے چنے لوگوں کے علاوہ نہیں جانتے (بلکہ) بعض اہلِ علم حضرات بھی اس سے واقف نہیں ہیں کہ کلمہ طیبہ کس کا مقولہ ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ اہلِ سلف اور فضلائے قدیم کہ جنہوں نے منازل تحقیق و تدقیق سر کی ہیں انہوں نے بھی کلمہ طیبہ کو اس طرح بیان نہیں کیا کہ اس سے توحید اور شرک کی حقیقت واضح ہو اور راہ معرفت الٰہی نصیب ہو سکے کیونکہ بلا شبہ (کسی) جملہ اور کلام کے مضمون کا سمجھنا اس کے اجزاء کی حقیقت کے سمجھنے پر منحصر ہے اور پھر کلمہ طیبہ (کے مضمون کو سمجھنا) کہ جو ایسا جملہ ہے جس میں حرف نفی (لا) اور حرف استنا (الہ) کے علاوہ دو لفظ اور بھی ہیں ایک الہٰ اور دوسرا اللہ۔ ان کے مفہوم کو کوئی شخص بھی خاطر خواہ نہیں سمجھ سکا اور اس کی ترکیب کے درخت سے خاطر خواہ پھل نہیں کھا سکا۔ (یعنی کلمہ طیبہ کی

صحیح ترکیب کر کے اس کا صحیح مطلب کوئی بیان نہیں کر سکا) ہر ایک نے (اس کی ترکیب کرنے اور معنی بیان کرنے میں) علیحدہ علیحدہ راہیں اختیار کیں چنانچہ الہ کی تحقیق میں ایک گروہ اس بات پر (متفق) ہے کہ کلمہ طیبہ میں الہ سے مراد معبود برحق ہے، ایک جماعت کا قول ہے کہ الہ سے مراد معبود مطلق ہے، ایک فرقہ کا کہنا ہے کہ الہ سے مراد مستحق عبادت ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ الہ سے مراد بما تسمونه الهاً تزعمونه معبوداً۔ "وہ (ذات) ہے کہ جس کا نام تم نے معبود رکھ لیا ہے" اور ایک گروہ نے الہ کو واجب الوجود کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور وہ بات کہ جس پر کلام الٰہی ناطق ہے یہ ہے کہ لفظ الہ موجود ممکن اور معبود واجب کے درمیان ایک مشترک لفظ ہے اسی طرح نفی کی تحقیق میں اور لفظ اللہ کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ دہریہ کہتے ہیں کہ اللہ وہ دہر ہے (زمانہ) کہ جس سے تغیر عالم وابستہ ہے۔ سوفسطائیہ کہ خالق و مخلوق دونوں میں شک رکھتے ہیں اور کسی حقیقت کو ان کے ثابت نہیں جانتے۔ مجوسی دو خالقوں کے قائل ہیں خالق خیر کا نام ان کے نزدیک یزدان اور خالق شر کو وہ اہرمن کہتے ہیں اور فرقہ فلاسفہ وجود بسیطہ (ایسا وجود جو کسی شہ سے مرکب نہ ہو) کو کہ جو عالم سے جدا اور غیرہ خدا کہتا ہے اور اس کو مجسم تشبیہ محض میں منحصر سمجھتا ہے (یعنی خدا کو مجسم مانتا ہے)۔ اور فرقہ متکلمین اس کو تنزیہ بحت میں منحصر بتلاتے ہیں۔ اور جو کچھ کلام الٰہی اور حدیث رسالت پناہی اس کے ساتھ گواہ ہے وہ ہے جس کو صوفیا موحدین (وحدت وجود کے قائل) ہمہ اوست سے تعبیر کرتے ہیں وکل حزب لِمَا لَدَیہِم فَرِحُونَ۔ جس جماعت کا جو مذہب ہے اور جو کچھ بھی اس کے پاس ہے وہ اس سے خوش ہے اور اس کو صحیح سمجھتی ہے) یہ حال ہے کلمہ طیبہ کے اجزاء کے سمجھنے کا۔ اب کلمہ طیبہ کے مضمون کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ تمام علماء اسلام اس بات کے اتفاق کے بعد کہ کلمہ لا الہ اللہ شرک کو دفع کرنے والا ہے توحید کی حقیقت میں اختلاف رکھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا ایک جزو توحید فی الوہیت (معبود کی وحدت پر ایمان لانا ہے) یعنی خدائے پاک کا ایک جاننا اور اس کی الوہیت میں دوسرے کو شریک نہ کرنا۔ لیکن اس کے خلاف کہ خدائے پاک کو یکتا نہ جاننا اور اس کے معبود ہونے میں دوسرے کو شریک کرنے پر شرک منحصر ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ شرک سوائے خدا کو دو جاننے والوں اور تین جاننے والوں کے اور کسی بشر کے نفس کا خیال نہیں چنانچہ زیادہ ضرورت اسی شرک کے دور کرنے کی پڑتی ہے۔ اس کے لئے سب کے سب خدا کی یکتائی کے

مقر ہیں اسی طور پر جس طرح کہ ذکر کی گئی ہے اور کوئی اس کا منکر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مشرکین عرب بھی شرک کے مذکورہ کا خیال نہیں رکھتے جیسا کہ اس معنی پر کلام الٰہی گواہ ہے اور اس تقدیر پر مواحدین اور مشرکین میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا بعض کہتے ہیں کہ خیر و ایمان توحید فی العبادت سے یعنی کسی چیز کو خدا کے سوائے مستحق عبادت جاننا شرک ہے۔ اس معنی کے موافق بھی مومن و شرک کے درمیان فرق نہیں پایا جاتا ہے اس لئے کہ اگر فی العبادت سے مقصود یہ ہے کہ غیر خدا کو خدا جان کر پوجنا اور تعظیم کرنا شرک ہے تو بتوں کے پوجنے والے بھی مشرک نہیں ہوں گے اس لئے کہ انہوں نے بتوں کو خدا جان کر نہیں پوجا اور ان کی تعظیم نہیں کی اور نہ کرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں ماتعبد هم الا ليقربو نا الى الله زلفى "ہم ان کی عبادت نہیں کرتے لیکن اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کریں۔" اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں تو اس صورت میں توحید مومنین کے اندر بھی نہیں پائی جاتی اس لئے کہ مومنین بھی ہر چیز کو اللہ کے سوائے موجود جانتے ہیں۔

لہذا مومنین نے بھی ہر چیز کو خدا کے وجود میں شریک کر دیا اس بارے میں انتہائی بات یہ ہے کہ وجود الٰہی کو اعلیٰ اور باقی تمام اشیاء کے وجود کو اس کے مقابلہ میں ادنیٰ کہدیا ہے لیکن اس بات سے شرک کے معنی کی نفی نہیں ہوتی جیسی کہ عنقریب اس کی تحقیق آئے گی اور اگر خدا کے سوائے کسی (دوسرے) کو نفع و نقصان پہنچانے والا جاننا مراد ہے اور اس کے خلاف شرک ہے تو اس معنی میں بھی مومن و مشرک برابر ہیں چنانچہ مشرک اپنے معبودوں کو موثر اور نفع اور نقصان پہنچانے والا جانتے ہیں اسی طرح مومنین بھی تاثیر، نفع اور نقصان کو غیر خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً آگ کی طرف جلانے کی نسبت اور مومن و مشرک کے درمیان جو فرق ہے کہ مومن خالق کے واسطے سے اشیاء کی تاثیر جانتے ہیں اور مشرک معبودوں کی تاثیر کو اس کے خلاف سمجھتے ہیں یہ دعویٰ لائق سماعت نہیں۔ مومن کو اللہ کے اذن کا محتاج جانتے ہیں اور مشرک اپنے معبودوں کی شفاعت کو اس کے برعکس جانتے ہیں اور اس دعوی مذکور کی وجہ نہ سنی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

ولئن سالتهم من خلق السمٰوٰت والارض الخ

"اگر آپ مشرکوں سے بھی سوال کریں گے کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ

وھو لآ ءِ شفعآ ء نا عند اللہ کہدیں گے کہ اللہ تعالی نے"۔اللہ کا اپنا ارشاد جو مشرکوں کے متعلق ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مشرک اور بت پرست خالق ارض وسماوات کو موثر حقیقی جانتے ہیں اور بتوں کو محض تقرب اللہ اور شفاعت عند اللہ کا ذریعہ جانتے ہیں اور وہ یہ نہیں کہتے کہ ہماری شفاعت کرنے والے اللہ کے اذن کے محتاج نہیں ہیں یا ارادہ الٰہی کے خلاف نفع و نقصان پہنچاسکتے ہیں ۔ اور صوفیہ مواحدین کہ جن کے دل اللہ تعالی کے بھیدوں سے منور کئے گئے ہیں توحید سے مراد توحید فی الوجود لیتے ہیں اور اس لحاظ سے صرف خداہی کو واحد مانتے ہیں اور غیر خدا کے وجود کو موجود ہی نہیں سمجھتے اگرچہ یہ معنی بالکل حق ہیں لیکن متکلم، مفسر، محدث اور مفتی کہتے ہیں کہ بندہ اس توحید کا متکلّف نہیں ہے اور یہ معنی جو مذکور ہوئے ہیں شرع کے نزدیک قطعی طور پر شرک ہے بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا دیکھیے فرق راہ کہاں کہاں تک ہے۔

جب کبھی گنہ گار راقم (نوراللہ) نے متقدمین ومتاخرین کی کتابوں میں توحید کے بارے میں اختلاف پایا یعنی (یہ دیکھا کہ) حکماء عقل کے مسلک اہل شریعت و نقل کے مذہب اور اصحاب طریقت واہل کشف کے مشرب میں معقول کو منقول کے ساتھ ملایا جاتا ہے یا ایک کو دوسرے پر فوقیت دی جاتی ہے (جب) بڑے بڑے علماء و عقلاء اور صوفیائے کرام سے کلمہ طیبہ کے معنی اور مضمون کی تحقیق (کرنی) دشوار سمجھی۔(تو) اس تحقیق کے میدان کو طے کرنے کے لئے دارالخلافہ شاہجہاں آباد سے کلکتہ کی بندرگاہ تک کوشش کا قدم گھسا (سفر کیا) زمانہ کے عقلمندوں نے جو توحید کی حقیقت کا انکشاف قدیم حکماء کے اقوام پر علماء وحال کی کتابوں پر اور متقدمین کے فتوی پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ کلمہ توحید کے جو کچھ معنی مواحدین پر ثابت ہوئے ہیں اس کا علم سینہ بسینہ پہنچا ہے اور ظاہر اشریعت اس کے خلاف واقع ہے اور نیز مشائخ موصوفہ اکثر آیات کلام مجید کو جیسا کہ

ھو الاول، والا خر، والظاہر، والباطن وھو معلم اینما کنتم اینما تولو فثم وجہ اللہ وما لکم من الہ غیرہ

موصوفہ اکثر آیات کلام مجید کو جیسا کہ "اول بھی وہی ہے، آخر بھی وہی ہے، ظاہر بھی وہی ہے اور باطن بھی وہی ہے وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو جدھر کو تم منہ کرلو ادھر ہی کو اللہ اور اسکے سوائے تمہارے لئے کوئی معبود نہیں ہے" کہ جو وحدت الوجود پر ظاہر اطریقہ پر

دلالت کرتی ہیں اپنے ظاہری معنی تاویل کئے ہوتے عجب ایمان ہے کہ شریعت حقا اسکے خلاف واقع ہوئی ہو اور ظاہر اکتاب و سنت کے معنی اس سے الگ ہوں القصہ حاصل کلام، کسی عالم، فاضل اور مشائخ نے اس دلیل کی تشفی نہیں کی اور اس معنی پر آگاہی نہیں دی کہ شریعت طریقت کے خلاف کیسے ہوگئی بہت زیادہ تحقیق و جستجو کرنے کے بعد میں ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء میں کلکتہ کے دارالعمارت سے لکھنو کے دارانورات میں (اللہ اس کو آفتوں سے محفوظ رکھے) وارد ہوا اور ہدایت الٰہی توفیق غیبی اور رہنمائی و تائید ایزدی سے مقصود کو پہنچا۔ بحضور پر نور والا جناب میں کہ جن کی ذات مقدس رحمانی تجلیات و صفات کا مظہر اتم ہے اور فیوض رحمانی کا ایک عام چشمہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفتوں کے عارف حق کا مشاہدہ کرنے والے حق کو دکھانے والے، خلوت نشینوں کے منازل سے واقف اور نور معرفت کی قندیل کے چراغ اور توحید ایمان کے خزانوں کی کنجی اور کلام مجید کی مشکل مضامین کے روشن (واضح) کرنے والے اور کلمہ توحید کے مشکل جواہرات کے پرکھنے والے اللہ تعالی کے انوار کے دریاؤں میں غوطہ لگانے والے سچی توحید والے لا الہ الا اللہ کے قول کے ساتھ جن اور انسانوں کو ہدایت کرنے والے حرمین شرفین کے حاجی محسن مطلق اللہ کی جانب سے توفیق دئے گئے۔ اپنے زمانے کے قطب مولانا حضرت سید شاہ عبدالرحمان، اللہ تعالیٰ ان کے کمال کے سایہ کو اپنے مریدوں کے سروں پر دراز رکھے اور ان کے فیض کی اور ان کی نیکی کو جہاں والوں پر برسائے ایک زمانہ میں کلمہ طیبہ کے معنی کی تحقیق میں مسلۂ وحدت الوجود کا حاصل کیا میں نے جناب مولانا ممدوح کے کلمات حقہ درافشانی کرنے کے بعد زبانِ فیض ترجمان سے کہ ہر کلمہ اسکا آیات کلام مجید کہ جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے ترجمہ تھا۔ رسالہ کلمہ الحق جو کہ اس بات کی آنحضرت کی تصانیف کے نوادر میں سے تھا (نادر تصنیف) اس ناچیز کو مرحمت فرمایا۔ ارشاد کیا کہ چند ورق کلمہ طیبہ کے معنی پر شبہات وارد ہونے والے کے دفع کرنے کے لیے اور ان مضامین کی مضبوطی حاصل کرنے کے لئے جو صداقت سے پُر ہیں اور ان دلائل کے ساتھ اطمینان حاصل کرنے کے لیے کہ جو اس کے ساتھ متعلق ہیں کافی ہوں گے۔ لہذا لازم ہے کہ اول اس رسالہ کے مطالعہ میں مشغول ہو کر اس کے مطالب میں مشغول ہونا چاہیے اور اس کے بعد اگر خداوند تعالی توفیق بخشے تو اس کے فارسی ترجمہ کے ساتھ (فارسی ترجمہ کر کے) (جو کہ) اختصار اور قریب الفہم طریقہ کے ساتھ (ہو) ثواب آخرت جمع کرنا چاہیے کہ اکثر طلبا کی دعاء

قبولیت کے درجہ کو پہنچ جائے اور نیت کا درخت جو مومنین کو فائدہ پہنچانے کا پھل دے بہر چند تردود حال اور دل کی پراگندگی اس کام میں مشغول ہونے سے مانع تھی لیکن چونکہ اس کو ایمان کا مقدمہ سمجھا (لہذا) اس واجب کی ادائیگی میں کوشش لگادی (ترجمہ کردیا) چنانچہ دل کی پریشانی کی حالت میں اس مضمون کے مطالعہ میں اور اس شوق حق کے مشاہدہ میں مشغول ہو گیا اس کے مضمون کو سمجھ لینے کے بعد عوام اور خواص کے شبہات کو خود جو کہ مسلۂ وحدت الوجود کی نسبت عموماً اور مولانا کے کلام کی طرف خصوصاً کانوں سے سنے جاتے تھے سب کو ایک ایک کر کے دکھادیا گیا ہے اور دفع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ عوام کو مولانا کے کلام کو غلطی پر محمول کرنے کی منشا ہی اور کچھ نہیں ہے سوائے اپنی سمجھ کی غلطی میں پڑ جانے کے اور اپنے وہموں کی تاریکی کے سبب اصلی مطلب کو نہ سمجھنے کے اور اس عالی مقام کے مطلب سے واقف نہ ہونے کے ورنہ جناب مولانا کی تحریر و تقریر میں کوئی امر قابل رد اور انکار نہیں ہے"

والحق یظھر من معنی ومن کلمہ۔

"اور ان کے کلمات و معنی سے حق ظاہر ہوتا ہے"۔ اس گفتگو کی تصدیق اور اس اجمال کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت مولانا کے کلام پر قوم کے طعنے چند ایسی وجوہات کے باعث تھے کہ جن کا منشاء اعتراض کرنے والوں کی ناسمجھی اور جہالت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ جانتے ہیں کہ مسلۂ وحدت الوجود کا خلاف عقل و نقل مولانا کے گھڑے ہوئے مسائل سے ہے۔ حالانکہ وحدت الوجود کی حقیقت سے تمام حکماء اشراقین عشایہ اور قدمائے متکلمین اور تمام اہل حق و یقین اتفاق رکھتے ہیں جیسا کہ حکمت و تصوف کی کتابیں اس کے بیان سے بھری ہوئی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جناب مولانا وحدت الوجود کے مسئلہ کا اظہار عوام کے سامنے جائز رکھتے ہیں اور یہ بات خلاف شریعت ہے اور تعجب یہ ہے کہ طعنہ مارنے والے لوگ یہ نہیں جانتے کہ دعویٰ اس مسلۂ کے اظہار کے عدم جواز کا اور کتاب و سنت کے خلاف ہونے کے سوائے ایک وہمی قیاس کے دعویٰ مذکور پر کوئی دلیل نہیں ایسا جیسا کہ اس کا جواب ان دوسرے یقینی دلائل کے ساتھ کہ زیادتی اس پر مقصود نہیں ہے رسالہ کے خاتمہ پر لکھی ہیں تیسرے گمان اس معنی کا رکھنے میں حضرت مولانا کے کلمہ طیبہ کے بیان میں علماء جمہور کے برخلاف بعض قواعد عربیہ کو ایجاد کیا ہے۔ (ایسا) ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ آپ نے کوئی نیا قاعدہ ایجاد نہیں کیا بلکہ قواعد مسلمہ کے بیان و شرح میں کہ کلمہ طیبہ پر مشتمل ہے ایک

جامع اور پر معنی تقریر اس طرح پر ہے کہ پہلے کسی نے اس خوبی کے ساتھ بیان نہیں کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ طعنہ مارنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا نے بعض علماء و صوفیا پر رد و قدح کی ہے حالانکہ ان کی شان ان سے بلند و بالا ہے۔

عما یقولون علواً کبیراً۔

"برتر ہے شان ان کی جو اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں بڑی اونچی بلندی کے ساتھ"۔ جو حسن عقیدت جناب مولانا عام صوفیوں اور علمائے امت کے ساتھ رکھتے ہیں وہ دوسرے خواص بھی (ایسی حسن عقیدت) ان کے ساتھ نہیں رکھتے۔ کیا امکان (مجال) ہے کہ کبھی حقارت یا اہانت کی نسبت کسی ادنیٰ مسلمان کے ساتھ کسی قلم اور زبان کے ساتھ دیکھی اور سنی ہو (یعنی جناب مولانا نے کسی ادنی مسلمان کی بھی اہانت نہیں کی اور اب ان کو نظرِ حقارت سے نہیں دیکھا) پھر وہ اعلی مسلمانوں تک (کیسے) پہنچ سکتے تھے۔ ہاں بعض قول صوفیہ علماء جو کلمہ طیبہ کی ترکیب و معنی میں اور اس کے دلائل میں کہ جو خلاف کتاب اور سنت تھے اور اصول بلاغت کے خلاف پائے گئے ہیں۔ البتہ ان کی اصلاح ضرور کی۔ اور اظہار ثواب میں ضرور تاً اقوال مذکور کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے چنانچہ اس طرح کی رد و قدح پہلے سے علماء و حکما و مجتہدین و مقلدین میں جاری و ساری رہی ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ امت کے تمام عوام و خواص کلمہ طیبہ کے یہی معنی نکالتے ہیں کہ تمام عالم غیر خدا ہے اور خدا تنزیہہ محض میں منحصر ہے یہ معنی مولانا مذکور کے نزدیک بالکل شرک ہیں۔ لہذا اکثر آدمی جانتے ہیں کہ مولانا کے گمان میں اکثر امت محمدی (کے افراد) ایمان کے حصہ سے محروم ہیں۔ اور اس گمان میں فساد عظیم ہیں اس گمان کے دفع کرنے کے لئے حضرت مولانا نے اس رسالہ کے خاتمہ میں لکھ دیا ہے نہ ایمان اجمالی لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمدؐ رسول اللہ کے ضمن میں جو کلمہ کا جزو ثانی ہے تمام مومنین کو حاصل ہے۔ لیکن غیر کے گمان کا شریک ہونا ایک اظہار امر ہے۔ جو کہ اکثر خواص و عوام اس میں مبتلا ہیں جیسا کہ خود خداوند تعالی کا قول ہے۔

وما یومن اکثر هم با لله الا وهم مشرکون

"کہ نہیں ایمان لاتے اکثر ان کے اللہ کے ساتھ لیکن اس حال میں کہ وہ مشرک ہیں" اور بعض حدیثیں اس کی خبر دیتی ہیں۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ عوام الناس جانتے ہیں جب مولانا بت وغیرہ اشیا کو غیر خدا نہیں جانتے بلکہ عین خدائے تعالی گمان کرتے ہیں تو انہوں نے انہیں

(بتوں کو) لائق پرستش سمجھ لیا۔ ایسا وہم کرنے والے اس آیۂ کریمہ۔ کے حکم کے مطابق اولئیک کالانعام بل هم اضل۔ "کہ وہ لوگ مثل چوپاؤں کے بلکہ ان سے بھی بدتر" اور جانتے ہیں کہ اعتقاد عالم کا خدا کے ساتھ ایک ہونے کا ازروئے شرع عین ایمان ہے یہ چیز اور ہے اور استحقاق عبادت کا گمان کسی معین میں کہ جو کمال کفر اور تغیان ہے دوسری چیز ہے۔ مولانا کا اعتقاد بال برابر بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے کہ نصاریٰ تین کے خدا کہنے سے کافر ہوگئے اور مجوسی دو خالق ماننے سے۔ مشرک ہوگئے لہذا جو شخص تمام عالم کو خدا سمجھتا ہے وہ کیسے کافر مشرک نہ ہوگا نعوذ باللہ منہا یہ بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ نصاریٰ و مجوسی کے کفر و شرک کی وجہ خداوند تعالیٰ کو دو یا تین (خداؤں) میں منحصر جاننے اور حضرت مولانا اور دیگر مواحدین خداوند تعالیٰ کو کسی چیز میں منحصر نہیں جانتے یہاں تک کہ نہ تنزیہہ کے انحصار میں بھی شرک جانتے ہیں اور دنیا کو عین خدا اس معنی میں کہتے ہیں کہ جس چیز کو تفریق کرنے والے موجود اور غیر خدا جانتے ہیں اس چیز کو عینیت وجودی اسی خدا کے وجود میں ہے۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ حضرت مولانا اور دیگر مواحدین جانتے ہیں کہ عالم کا سوائے وہم و خیال کے کوئی وجود نہیں اور یہ معنی عقیدہ حقائق اشیاء ثابتہ' (سب چیزوں کی حقیقت ثابت ہے) کے خلاف تصور کیا جاتا ہے اس اعتراض کا منشا ابھی معرفین کی ناسمجھی اور مواحدین کے مطلب کو نہ سمجھنا ہے یعنی مواحدین وجود عالم کو ہرگز خیالی وہمی محض نہیں جانتے بلکہ غیریت و تغائر موجودات کو جو ایک دوسرے سے علیحدہ وہم میں آتا ہے اعتباری و وہمی جانتے ہیں اور وجود اشیاء کو عین واجب کہتے ہیں اور وہی وجود واحد ہر شے کی حقیقت ہے اور اگر کہتے ہیں کہ تعداد اور تکثیر (کثیر ہونا) محسوس اور ایک دوسرے سے غیر ہونے میں چارہ نہیں ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہر معنی اور ارادہ الٰہی کے ساتھ ہیں اور کنز مخفی کا ظہور اور نظام عالم اور رسولوں کا بھیجنا، ترتیب کتب، صحیفوں کا بھیجنا۔ امر و نہی کا جاری کرنا، ثواب و عذاب کا اس پر حریف کرنا اور تمام احکام شریعت کا مدار اور معنی کی سچائی الیہ مرجع والمآب،صنع اللہ الذی اتقن کل شیٍ کا موقف اس پر ہے۔ یقین کرنا مثل تغائر وہمی کے موافق اس آیۂ کریمہ کے "اللہ نے ہر چیز کو مضبوط رکھا، زوال پذیر نہیں ہے، عین ایمان ہے اس لیے مواحدین کے نزدیک زمین سے زمین کو' آسمان سے آسمان کو' انسان سے انسان کو' حیوان سے حیوان کو' عناصر سے عناصر کو جاننا اور کہنا عین ایمان ہے۔ لیکن ان سب کی

حقیقت کو خداوند تعالیٰ کی خاص حقیقت جانتے ہیں اور تمام اشیاء کے مختلف آثار کے تغیر کو آثار متناقضہ کی طرح غفار و قہار و نافع و ضار و ہادی و فصل ان تمام چیزوں کو ذات واحد میں بالاتفاق جانتے ہیں۔ چنانچہ نورِ جنس و فصل کے درمیانی تغائر کو اور ان کی جزیات کے درمیانی تغائر کو جو محض اعتباری ہے اور حقیقی دکھائی دیتا ہے علی ہذ القیاس دوسرے شبہات اور طعنے جو مواحدین کے عقائد پر عموماً اور حضرت مولانا کے کلام پر خصوصاً وارد ہوتے ہیں ہر ایک کا تسلی بخش جواب کلمہ الحق کے مطالعہ سے وضاحت کے ساتھ ملے گا اور اس مضبوط متن کے معنی میں غور اور تامل کرنے سے ثابت ہو جائے گا کہ حضرت مولانا نے کلمہ طیبہ کے معنی بیان کرنے اور اس کی شرح کرنے اور اس کے دعوے پر دلائل کو منطبق کرنے میں اس میدان میں (ہر ایک سے) سبقت حاصل کی ہے اور وہ گتھیاں جو متقدمین و متاخرین کے باطن ہمت نے نہیں کھولی تھیں وہ جناب مولانا نے کھول دی ہیں یہ بات حق ہے کہ کلمہ الحق کے معنی اور مضمون جو الہامات ربانی اور آیات بینات رحمانی سے (ماخذ) ہیں۔ شعر

أیاتِ حق من الرحمن محدثه

قدیمته صنعته الموصوف بالقدم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی آیات حق ہیں جو ظاہر میں حادث ہیں اور حقیقت میں موصوف کی صفت قدیم کے ساتھ قدیم ہیں۔

حضرت مولانا کے کلام کے مضمون میں اور دوسرے عالم اور عارفوں کے کلام میں (جو فرق ہے) اس فرق کے دعوے کی تصدیق کی بنا پر اس عاجز کے قلم کے سپرد کیا جاتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ سب صوفیائے مواحدین کا دارومدار بالاتفاق عینیت وجود کے ثبوت پر اور غیریت کی نفی کے اوپر دلالت کرنے والا کلمہ طیبہ کو کہتے ہیں لیکن از روئے تفسیر بیان کرنا بھی کلمہ طیبہ کو بلا تاویل کے عینیت مقصود پر نہیں پہنچا جاتا اور تاویل کے بعد بھی صرف خدائے تعالیٰ کی عینیت کے ثبوت پر عبارت ظاہری مطلب کی روح سے دلالت کرنے والا ہے لیکن عینیت زمین و آسمان کی اور دوسرے ممکنات کی جو اللہ کے غیر (برعکس) معلوم ہوتی ہے کلمہ طیبہ سے اس گمان کے موافق نہیں سمجھا جاتا مگر اشارتاً اور مولانا کے حسنِ بیان کے موافق لاالہ اللہ تاویل کے بغیر اللہ کی عینیت پر عبارتاً اور دوسری چیزوں کی عینیت پر دلالتاً کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آیات بینات کے جو دلائل توحید میں واقع ہیں تاویل کے بغیر اور

ظاہری معنی کے بدلنے کے بغیر اس مفہوم پر یعنی لاالٰہ اللہ کے مفہوم کو متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے منطبق نہیں کیا ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے بغیر تاویل اور بغیر تحریف کے علم صرف کے قاعدوں کے مطابق اور علم نحو، منطق اور بلاغت کے قاعدوں کے مطابق قرآن شریف اور حدیث کے مضمون کے مطابق منطبق کیا ہے تیسرے یہ کلمہ طیبہ شرک کو دفع کرنے والا ہے لہذا اس نے اس کے ایسے معنی جن سے کہ تمام قسم کے شرک دفع ہو جائیں درکار ہیں حالانکہ علماء ظاہر کے بیان کیے ہوئے معنی سے صرف ایک قسم کا شرک یعنی شرک فی العبادت دفع ہوتا ہے اور دوسرے چار قسم کے شرک کہ ان میں سے ایک شرک فی الوجود دوسرا شرک فی التاثیر، تیسرا شرک اللہ جل شان کا ہوگا تنزیہہ میں منحصر کر دینے میں اور چوتھا اس کو (خدائے تعالی) تشبیہ میں منحصر کر دیتا ہیں۔ یہ چاروں شرک قطعی طور پر دفع نہیں ہوتے اور ان معنی کے مطابق جو حضرت مولانا نے تفسیر کئے ہیں پانچ قسم کے شرک کی نفی کو شامل کرنے والے ہیں۔ (یعنی دور کرنے والے ہیں) شرک اپنی پانچویں قسموں کے ساتھ لا الہ اللہ کی ایک نفی ہے دفع ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالی کے سوائے کسی کا وجود ہی نہ رہا تو کوئی چیز خواہ وجود ہو یا تاثیر۔ تنزیہہ ہو یا تشبیہہ غیر اللہ میں نہیں پائی جائیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کا انحصار کسی معین چیز میں لازم نہیں آئے گا۔ چوتھے یہ کہ اس کے باوجود کہ صوفیائے مواحدین نفی غیریت کو عین ایمان جانتے ہیں اس کے باوجود ان میں سے اکثر کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اکثر آیاتِ قرانی تغائر پر بھی دلالت کرتی ہیں حالانکہ یہ معنی خلاف واقع ہیں جیسا کہ حضرت مولانا نے متن میں فنِ اصول کے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ کوئی آیت کلام الٰہی کی جو غفور الرحیم ہے غیریت پر دلائل نہیں کرتی اور نہ کوئی حدیث نبی کریم ﷺ کی حدیثوں میں سے کس طریقہ سے کہ جو چار طریقہ کے بیان کرنے کے ہیں یعنی عبارۃ النص ولدلۃ النص واشارۃ النص واقتضاء النص۔ اور یہ طریقے مولانا کو اس بارے میں یکتائی کے درجہ پر پہنچاتے ہیں۔ اور نیز کلمۃ الحق پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا خاص مسلک دیگر صوفیا و علمائے متقدمین و متاخرین کے مسلک پر کہ جو متکلمین کے مذہب کے مطابق و موافق ہے چند وجوہات سے ترجیح رکھتا ہے ترجیح کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ متکلمین کے مذہب کے مطابق خدا پر بالکل ایمان سمجھا ہی نہیں جاتا اس لیے کہ کسی چیز کے وجود کا یقین کرنا اس کی تصدیق کرنا اس چیز کا ذہن میں تصور ہونے پر منحصر ہے اور خدائے تعالیٰ کا تصور بالوجہ سے اور تصور بالوجہ بھی متکلمین کے مذہب کے موافق ممکن

نہیں ہے اس لئے کہ خدا متکلمین کے نزدیک اس چیز میں کہ جو نہ جوہر ہے نہ ارض، نہ عرش ہے نہ فرش، نہ زمانے میں ہے نہ مکاں میں۔ نہ زمین میں ہے اور نہ وہم میں، منحصر ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی خارج میں موجود ہے اور تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے "یہ ان کا وہ قول ہے جو ان کی زبانوں پر ہے ذالک قولھم بافواھھم بما لیس فی قلوبھم تو ہے لیکن دلوں میں نہیں ہے" اس لئے کہ ان کے خیال میں خارج میں وہی چیز نہیں ہے جس کو وہ ما سوا اللہ سے تعبیر کرتے ہی اور یہ ایک ایسی بات ہے جو آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور گذشتہ کل سے زیادہ روشن ہے۔ مولانا اور دوسرے مواحدین کہ اللہ ان کے بھیدوں کو پاک کرے جو تصدیق کرنے والا ہے اس بات کی کہ جدھر بھی تم رُخ کرو اللہ ہی اللہ ہے

اینما تولُّو فثم وجه الله کا حال کیسا اچھا ہے اور اس لا الہ اللہ کے معنی سمجھنے والے صرف وہی لوگ ہیں۔ ؎ ہر کجا می نگرم روئے ترا می بینم

ترجمہ:۔ جہاں میں دیکھتا ہوں تیرا ہی رُخ نظر آتا ہے۔ یہی صاف دل والے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی صفات کی تصدیق کا اور عقائد حقہ کے یقین کا حصول جیسا کہ چاہیئے متکلمین کے مذہب میں ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات، سماعت، بصارت اور علم کا منحصر ہونا اور دوسروں میں ان صفات کا نہ پایا جانا جیسا کہ آیۂ شریف کا مضمون ہے۔ "کہ وہی سننے والا ہے وہی دیکھنے والا ہے اور وہی جاننے والا ہے" لیکن مواحدین، خدا ان کے بعیدوں کو پاک کرے کہ مذہب کے موافق امکان نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ سمیع و بصیر کے حقیقی معنی انسان میں پائے جاتے ہیں جو کہ کان اور آنکھ رکھتا ہے لہذا سماعت و بصارت کا انحصار جو کہ منزہ ہے کان آنکھ اور حواس عشرہ ظاہری و باطنی سے کہاں رہ گیا کہ جن کو انسان میں ثابت کرتے ہیں لہذا صفات و تصدیق کا ایمان آیات مذکورہ کے مطابق نہیں ہے لیکن حضرت مولانا اور دوسرے مواحدین کے پاس کہ جنہوں نے عینیت کے راستہ سے لی یبصر کا سرمہ (مجھ ہی سے دیکھتا ہے) آنکھوں میں لگایا ہے اور بی یسمع کے معنی (مجھ سے ہی سنتا ہے) اپنے کان سے سنے ہیں۔ وہ وہی دیکھتے ہیں جو کچھ وہ دیکھتا ہے اور وہ وہی سنتے ہیں جو کچھ وہ سنتا ہے۔ اشعار

سرمہ گرز نور بے بصر　　بکشی در دو چشم پرز نگار
زاندروں و بروں نشیب و فراز　　از پس و پیش و از یمین و یسار
شاہد لا الہ الا ہو　　پیش تو پردہ گیر و از رخسار
ثم وجہ اللہ آیدت بنظر　　وہو معکم نمایدت دیدار

ترجمہ اشعار:۔

اگر تولی بصر کا سرمہ اپنی دونوں رنگ آلود آنکھوں میں لگائے تو اندر سے اور باہر سے نیچے سے اور اوپر سے، آگے سے اور پیچھے سے داہنے سے اور بائیں سے لا الہ الا اللہ کا شاہد تیرے سامنے رخ سے پردہ اٹھادے گا، پھر اللہ تعالیٰ کا چہرہ نظر آئے گا اور ھو معکم (وہ تمہارے ساتھ ہے) کا دیدار تجھے حاصل ہو گا۔

تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے دیدار کا ایمان منجملہ عقائد حقہ کے ہے اور اس کا یقین حاصل کرنا متکلمین کے مذہب میں نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ حقیقت دیدار الٰہی کی تصدیق نظر آنے والی صورت و شکل پر منحصر ہے اور جو شکل و صورت سے منزہ ہے اس کا دیدار متصوّر نہیں ہے اور اسی وجہ سے معتزلہ اور اہل اسلام کی ایک بڑی جماعت دیدار خدا کی منکر ہو گئی۔ اور اشاعرہ اور متکلمین جو اس کی حقیّت کا انکار کرتے ہیں اس کی کیفیت معقول طریقے سے بیان نہیں کر سکتے کہ اس پر اطمینان قلبی مرتب ہو جائے اور وہ صوفی حضرات جو کہ مقلدینِ متکلمین ہیں اس ادراک کو مقام فنا تک پہنچ جانے والوں کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں اور آخرت میں اسکے حصول کا بطریق فرض محال اعتقاد کر لیتے ہیں لہذا متکلمین کے مذہب پر اور ان کے اتباع کرنے والوں پر سوائے خاص الخاص لوگوں کے اہلِ اسلام کے خاص و عام کو دیدار (الٰہی) کے مسئلہ میں علم الیقین بھی نصیب نہیں ہے۔ پھر عین الیقین اور حق الیقین کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ تمہارے قول کے موافق اور موحدین کے مسلک کے مطابق دیدار الٰہی ہر شخص کو دین و دنیا میں حاصل ہے تو یہ خلاف شریعت ہے۔ اس لئے کہ شریعت مطہرہ میں اس کی تصریح ہو چکی ہے کہ اگر کوئی دعوی کرے کہ ہم نے اپنی سر کی آنکھوں سے دنیا میں حالت بیداری میں خدا کو دیکھا ہے تو وہ کاذب و زندیق ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس کی تصریح واقع نہیں ہوئی ہے اور جس جگہ مضمون مذکورہ کا اشارہ ہو گیا ہے تو مطلب و مراد اس کا بھی یہی ہے کہ رب العزت کا وجود (مطلق اور ذات محض کہ) جو مرتبہ تنزیہ ہے اس سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان حواس ظاہری سے کہ جو محسوسات کے ادراک سے عاری اور مشبّہات سے خالی ہیں نہیں دیکھ سکتے نہ یہ کہ دیدار الٰہی مطلقاً مشبّہاً اور غیر مشبّہاً دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ اس معنی کی صحت اور مراد پر یہ نص قاطع (آیۃ) اَلَا اِنَّھُم فِی مِریَۃٍ مِنۡ لِّقَآءِ رَبِّھِمۡ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیطٌ ہ (حٰمٓ السجدہ)

قرآن مجید کی یقین دلانے والی ہے

ترجمہ:۔ ”آگاہ ہو جاؤ کہ وہ شک میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے اور آگاہ ہو جاؤ کہ وہ ہر شے کو گھیرنے والا ہے“ سورہ حٰمٓ السجدہ کے آخر میں موجود ہے

اس کے خلاف دعوی کرنے والوں پر واجب ہے کہ کوئی نص قرآن پاک سے پیش کریں حضرت مولانا اور دیگر موحدین کے مسلک کے موافق (کہ اللہ ان کی برکتوں کو قائم رکھے) یہ دولت عظمیٰ اور عطائے عظیم ہر شخص کو دنیا اور عقبیٰ میں حاصل ہے اگرچہ وہ غیریت کی قوتِ واہمہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنا ادراک نہ رکھتا ہو لیکن خدا دیکھنے والا ہے کہ واقع میں اس کا غیر موجود ہی نہیں ہے جو منظور نظر ہو۔ خواجہ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں:

ناظر خود خودست و خود منظور　　خود تماشا و خود تماشا کار
عاشق خود خودست و خود معشوق　　خود طبیب خودست و خود بیمار
از برائے فریب خود خودگشت　　جلوہ درقدو درقدم رفتار
تابدر زلف وسمہ بر ابرو　　سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار
رنگ در آب و آب و دریا قوت　　بوئے درمشک و مشک در تا تار
ربِّ اَرِنِی بگوشِ خود خودگفت　　خود بخود کرد حسرت دیدار
باز خود گفت لَنْ تَرَانِی زود　　بہرچہ بہر گرمیٔ بازار

ترجمہ:۔

۱۔ وہ خود ہی ناظر اور خود ہی منظور ہے۔ خود ہی تماشہ ہے خود ہی تماشائی ہے

۲۔ وہ خود ہی اپنا عاشق ہے اور خود ہی معشوق ہے۔ خود ہی اپنا طبیب اور خود ہی بیمار ہے

۳۔ اپنے آپکو فریب دینے سے خود ہی گشت کرتا ہے۔ اپنے اوپر عاشق ہونے کے لئے وہ اپنے قد، قدم اور رفتار میں جلوہ گر ہے

۴۔ زلف میں پیچ و خم، ابرو پر اسمہ، آنکھوں میں سرمہ اور رخساروں پر غازہ ہے

۵۔ پانی میں رنگت اور یاقوت میں چمک، مشک میں بو، اور تاتار میں مشک ہو گیا ہے

۶۔ خود ہی اپنے ناموں میں رب ارنی کے اور خود ہی حسرت دیدار ہونے لگا۔

۷۔ اور پھر خود ہی اپنے آپ سے جلدی سے لن ترانی کہی کس لیے صرف اپنی گرمیٔ بازار کے لئے۔

ارشادات

مقبول النبی :۔ فضائل و فوائد درود شریف کا ذکر تھا۔ حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ درود شریف کے فوائد اور اس کے نتائج حد و شمار سے باہر ہیں۔ بعض علماء نے ان کا ذکر کیا ہے اس ضمن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ کا حوالہ دیا جس میں تفصیل سے اس مضمون کو بیان کیا ہے اور متعدد فوائد درود شریف کے گنائے ہیں۔ اسی سلسلہ میں بطور مثال ارشاد فرمایا کہ میں نے مدینہ شریف کے سفر میں درود شریف کی کثرت اختیار کی، اونٹ کی سواری تھی راستہ میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت حضوری میسر ہوتی تھی اور مدینہ طیبہ پہنچ کر تو اس کمترین کے حال پر اور زیادہ عنایت والتفات ہونے لگا ایک مرتبہ اشارہ فرمایا گیا کہ قریب آجاؤ، میں نے اپنی گرد و کدورت کا عذر پیش کیا ارشاد ہوا کہ قبلتك علی غش جو دیکھنے والے تھے وہ اس مزید کرم پر رشک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک ہندی پر یہ مہربانی عجیب بات ہے۔ میں نے حضورؐ کے اس کرم اور التفات کو دیکھا تو عرض کیا کہ مجھے حضورؐ کی برکت سے علم ظاہر یعنی معقول و منقول اور حدیث و تفسیر تو حاصل ہو گیا، اب امیدوار ہوں کہ جنید و شبلی کے علم سے بھی کچھ حاصل ہو، اَلحَمدُلِلّٰهِ حَقَّ حَمدِهٖ والصلوۃ علی خیر خلقه کہ میری یہ درخواست قبول ہوئی اور وہ اس طرح کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک کتاب تھی حضور نے خود دست مبارک سے مجھے عنایت کی اور اس کو پڑھایا میں نے اس کا مطلب سمجھا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّم عَلٰی سَیِّدِنَا محمّد وّاٰلہ بِقَدرِ اِحسانِهٖ

اس کے بعد فرمانے لگے کہ جو شخص سچے دل اور خضوع و خشوع سے درود شریف کا ورد کرے گا اپنی مراد کو ضرور پہنچے گا۔

دعائے خانہ کعبہ : حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ اگر

خانہ کعبہ کا طواف تنہائی میں میسر آئے تو اُس وقت جو دعا کی جائے قبول ہو گی۔ الاماشاء اللہ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادہم قدس سرہ کو جب تنہائی میں خدائے تعالےٰ سے عرض کرنے کا موقع ملا تو آپ نے یہ دعا مانگی تھی کہ یااللہ مجھ سے گناہ سرزد نہ ہو۔ ندا آئی کہ یہ نہ ہو گا۔ یعنی گناہ سے اگر عفت مل گئی تو شانِ غناری کا ظہور کیسے ہو گا تب آپ نے دوسری دعا کی اور وہ قبول ہوئی۔

میں بھی نمازِ ظہر کے بعد اپنے دو تین دوستوں کے ساتھ حرم شریف میں بیٹھا تھا، بھاگلپور کے ایک شخص جو وہاں تھے مجھ سے کہنے لگے کہ دیکھو کعبہ خالی ہے اس وقت کوئی انسان وہاں نہیں ہے۔ میں باوضو تھا فوراً دوڑ کر گیا اور طواف شروع کر دیا اور ایک اسبوع یعنی سات مرتبہ طواف پورا کیا اور دو رکعت نفل پڑھے۔ دوسرے اسبوع میں چار مرتبہ طواف کر چکا تھا کہ دو تین شخص آکر شریک ہو گئے۔ اس پر مولوی نوراللہ صاحب نے سوال کیا کہ اس موقع پر جو دعا حضور نے کی وہ قبول ہوئی یا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ بیشک میں نے جو کچھ مانگا تھا وہ اللہ کے کرم سے ملا۔ میری دعا یہ تھی کہ اے اللہ مجھ کو ایسا مرشد عطا کر کہ وہ مجھے تجھ تک پہنچا دے لیکن ایسا ہو کہ وہ تیری نظر میں کامل ہو تو مجھ پر بھی اُس کا کمال ثابت ہو جائے اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو میرا مقصد پورا نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور مجھ کو مولوی عبدالحکیم صاحبؒ کی خدمت میں جو میرے ایک بزرگ تھے شرف ملاقات حاصل ہوا۔

شرف سادات: حضرت مولانا قدس سرہ فرماتے تھے کہ سادات بنی فاطمہ پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ خواہ وہ اپنی زندگی میں کیسی ہی بداعمالی میں مبتلا رہے ہوں۔ لیکن دنیا سے وہ باایمان اُٹھیں گے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل کے لئے دعا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی بشارت دی ہے۔

محرم: حضرت مولاناؒ عشرہ محرم میں مصائب امامین علیہما السلام اہتمام سے سنتے تھے چنانچہ شیخ غضنفر علی سے اکثر مرثیے سنا کرتے تھے اور مولوی محمد نوراللہ صاحب کتاب دَہ مَجلِس وغیرہ سنایا کرتے تھے۔ آپ سنتے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور فرماتے کہ جو مصائب تمام انبیاء علیہم السلام پر اللہ نے نازل کئے وہ سب جمع کر کے اللہ تعالیٰ نے کربلا میں امام علیہ السلام پر پیش کئے۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے جناب امام نے ان سب مصائب کو بڑی خوش دلی اور شکر گزاری کے ساتھ برداشت کیا اور سبب اس کا یہ تھا حضرت امام علیہ السلام اللہ کے محبوب تھے اور خود نور

الٰہی نے آپ پر نزول فرمایا تھا۔ حضرت امام علیہ السلام اس مرتبہ پر ادائے شکر کے لئے اپنی جان سے بہتر اور کوئی چیز پیش نہ کر سکتے تھے اس لئے جناب امام علیہ السلام نے اپنا سر نذر کر دیا۔

تعزیہ: ایک روز محمد حسین خاں نے حضرت مولاناؒ سے تعزیہ کی زیارت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تعزیہ داری از روئے شرع نارد اہے لیکن ہندوستان میں اس کی حیثیت شعار اعظم کی ہے اس لئے کہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بلند ہوتا ہے اور علاوہ اس کے مخلوق کو بہر نوع فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی سبب سے علماء حق نے اس کو بدعتِ حسنہ قرار دیا ہے۔ تعزیہ کی زیارت کے لئے جانے کے متعلق حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تعزیہ کو ضریح مبارک تصور کر کے اسی ادب کے ساتھ جائیں تو مضائقہ نہیں اور اگر صرف بانس اور کاغذ سمجھیں اور محض سیر کے لئے جائیں تو یہ گناہ ہے۔ اسی گفتگو میں ایک شخص نے عرض کیا کہ خاص ضریح مبارک تو ایک ہے لیکن یہ ہزاروں تعزیئے جو بنائے جاتے ہیں ان کی تعظیم کیوں کی جائے اس پر فرمایا کہ کعبہ شریف ایک ہے اور یہ ہزار ہا مسجدیں اس کی نقل ہیں اُن کی تعظیم کیوں کی جاتی ہے۔

نیت نماز: حضرت مولاناؒ سے سوال کیا گیا کہ نماز کی نیت صرف دل سے کر لینا کافی ہے یا زبان سے کہنا بھی ضروری ہے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نیت صرف دل سے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے اس لئے حدیث سے آنحضرت کا سوائے اللہ اکبر کے کوئی لفظ زبان سے کہنا ثابت نہیں ہے اور اگر زبان سے کہا جائے اور دل متوجہ نہ ہو تو اس نیت کا اعتبار بھی نہیں۔

تعجیل نماز: ۔ دوسرا مسئلہ جس پر حضرت مولاناؒ کو دوسرے فقہا پر ترجیح ہے وہ تعجیل نماز کا ہے یعنی دوسرے علماء کے نزدیک گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز میں تاخیر کرنا مستحب ہے لیکن حضرت مولانا قدس سرہ مثل دوسرے اوقات کے ظہر میں بھی تعجیل فرماتے تھے۔

دعا بعد نماز: حضرت مولانا قدس سرہ کا معمول تھا کہ ظہر، مغرب اور عشاء کی نماز میں سلام پھیرتے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے اور فوراً سنت مؤکدہ شروع کر دیتے۔ حالانکہ دوسرے علماء کا دستور ہے کہ وہ فرض نماز کے بعد اول دعا مانگتے ہیں اور اس سے فارغ ہونے کے بعد سنت ادا کرتے ہیں۔ مولوی نوراللہ صاحب نے حضرت مولاناؒ کے اس معمول کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید و پیروی میں ایسا کرتا ہوں۔

حضور صلعم کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر اور عصر کے فرضوں کے بعد سمت قبلہ سے پشت مبارک پھیر کر اپنا منہ حجرہ شریف کی طرف کر کے بیٹھ جاتے تھے اور ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگتے تھے لیکن ظہر، مغرب اور عشا کے فرضوں کے بعد اَللّٰھُمَّ اَنتَ السَّلَامُ وَمِنكَ السَّلَامُ وَاِلَیكَ یَرجِعُ اَلسَّلَامُ تَبَارَکتَ یَا ذَالجَلَالِ وَالاِکرَامِ زبان مبارک سے کہتے ہوئے جلدی سے کھڑے ہو جاتے اور فوراً سنت نماز شروع فرماتے۔

نمازِ جنازہ: ہندوستان میں عام رواج ہے کہ میت کو چارپائی پر رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں حضرت مولانا قدس سرہ کے سامنے جب نماز کے لئے جنازہ آتا تو آپ فرماتے کہ میت کو چار پائی سے اُتار لو۔ اس وقت زمین پر بوریا بچھا کر میت کو اس پر رکھ دیتے تھے تب آپ خود نماز جنازہ پڑھاتے تھے لیکن بعض لوگ اس طریقے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اُس صورت میں حضرت مولاناؒ نماز میں شرکت بھی نہیں فرماتے تھے۔ مولوی نور اللہ صاحب نے اس مسئلہ کی تحقیق کی اور علماء لکھنؤ، رامپور، شاہ جہاں آباد، بریلی اور مراد آباد سے استفتا کیا۔ سب نے تسلیم کیا کہ میت کو چارپائی یا پلنگ پر رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنا کراہت سے خالی نہیں بلکہ یہ بھی تسلیم کیا میت کو زمین پر رکھنا اولیٰ ہے۔ دوسرے ممالکِ اسلامی میں بھی یہ دستور ہے کہ میت کو تختہ پر رکھ دیتے ہیں یا پلنگ کے پائے زمین میں گاڑھ دیتے ہیں جس سے میت زمین کی سطح کے قریب ہو جاتی ہے۔

گیارھویں شریف: فاتحہ یازدہم حضرت غوث الثقلین علی نبیناء علیہ السلام جو بڑے پیر صاحب کی گیارھویں کے نام سے مشہور ہے اس کی اصل و حقیقت حضرت مولانا قدس سرہ نے یہ بیان فرمائی کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ گیارھویں ربیع الاول کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ کیا کرتے تھے یہ نیاز اس درجہ مقبول ہوئی کہ آپ نے ہر مہینہ کی گیارہ تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ کا معمول کر لیا۔ دوسرے لوگ بھی حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی پیروی میں یہ نیاز کرنے لگے آخر رفتہ رفتہ یہ نیاز حضرت غوث پاکؒ کے نام سے مشہور ہو گئی اور اب حضور کی فاتحہ گیارھویں تاریخ کو ہوتی ہے۔ حالانکہ حضور کی تاریخ وصال سترہ ربیع الثانی ہے۔

تصویر کا دیکھنا: مرزا صادق بیگ مرید صادق کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور آپ سے دریافت کیا کہ ذی روح کی

تصویر دیکھنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو (جن کی شکل میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی نازل ہوئے ہیں) کسی غیر مسلم بادشاہ کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ جب وحیہ کلبیؓ بادشاہ کے سامنے پہنچے اور تبلیغ رسالت شروع کی تو اس نے سوال کیا کہ تم نے اپنے پیغمبر کو دیکھا بھی ہے آپ نے کہا کہ ہاں، دیکھا ہے۔ اس پر بادشاہ نے پیغمبروں کی تصویریں طلب کیں اور ان کو وحیہ کلبیؓ کے آگے رکھا اور کہا کہ دیکھو ان میں تمہارے پیغمبر کی کونسی تصویر ہے وحیہ کلبیؓ نے تمام تصویروں کو دیکھا اور اُن میں سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقع مبارک نکال کر دکھایا کہ یہ آپ کی تصویر ہے اور پھر زار زار رونے لگے بادشاہ تصویر کو دیکھتے ہی مع تمام اہلِ دربار و متعلقین کے مسلمان ہو گیا۔ اس واقع کو بیان کرنے کے بعد حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ اگر ذی روح کی تصویر دیکھنا حرام اور منع ہوتا تو حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی تھے ہرگز تصویریں نہ دیکھتے۔

ارادت: یہ سعادت کا وہ تخم (بیج) ہے جو حضور ﷺ کی طرف لے جاتا ہے جب تک کہ خداوند کریم اس خوبی کی بنا پر بندہ کی روح پر اپنا جلوہ یا نور نہیں ڈالتا اس وقت تک ارادت پیدا نہیں ہوتی۔ اور دین کے آئمہ مشائخ اور اہل یقین کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ بیعت فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب۔ وہ لوگ جنہوں نے اسے فرض کہا ہے یہ دلیل دیتے ہیں اور قرآن کی آیۃ پاک میں سے ایک یہ ہے کہ یا ایُھا الذین اٰمنو التَّقُو اللّٰہَ وابتغو اِلَیہِ الوسیلہ۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اتبع سبیل من اناب الی ترجمہ: اس راستہ کا اتباع کرو جو مجھ تک پہنچادے دوسرے یہ کہ اِتباع کرو اس راستہ کا جو بزرگوں نے متعین کیا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی راستے کی پیروی کسی وسیلہ کے ذریعہ سے. تو مقصد یہ ہے کہ وہ شخص جو اللہ والا ہے اور خدا کے احکام کی پابندی کرتا ہے۔ بیعت کا حکم تمام مومنوں پر یہ ہے کہ وہ رسولِ خدا کی بیعت کریں دراصل حکم کی پابندی اس میں ہے فرض چیز پر قائم رہا جائے اور اس کے ساتھ دلیل فرض ارادے کی نفی پر قائم نہ کی جائے۔ اور اس کو نظر انداز کرنا اس کی حقیقت کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور یہاں کوئی بھی دلیل اس ارادت کی نفی کے سلسلہ میں پائی نہیں جاتی ہے۔ چنانچہ کئی مفسرین نے قرآن پاک کی ان ہر دو آیات کا ترجمہ اور تفسیر اسی

طریقہ سے کی ہے اور وہ لوگ بیعت کے واجب ہونے کے قائل ہیں اس حکم کو ان دو آیات کی مناسبت سے اس کا واجب ہونا یقینی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں اگر بیعت فرض ہوتی تو اس کا منکر کافر ہوتا اور بیعت کا انکار کرنے والا متفقہ طور پر کافر نہیں ہے اور وہ لوگ جو بیعت کو مستحب قرار دیتے ہیں اس حکم کے بارے میں اس کے مستحب ہونے پر یقین کرتے ہیں کہ بیعت فرض یا واجب ہوتی تو شریعت کی جانب سے اس کو چھوڑ دینے پر سخت شرعی تاکید لازم ہوتی اور اس کا چھوڑنے والا فاسق قرار دیا جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس چیز کے بارے میں تحقیقی طور پر حضرت مولانا قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بیعت مختلف اسباب پر ہوئی ہے۔ پہلی بیعت اسلام کے لئے، دوسری بیعت جہاد کے لئے، تیسری بیعت گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے اور تقویٰ اور پرہیز گاری پر قائم رہنے کے لیے چنانچہ پہلی بیعت کے بارے میں قرآن کریم کی بھی آیت واقع ہوئی ہے اور پھر حضور ﷺ کے بعد خلفاراشدین اور ائمہ امام مہدی کے عہد سے آج تک یہ سنت مشائخ کے درمیان جاری اور مروج رہی ہے اور پھر حدیث میں بھی یہ بات کہ "جو فوت ہو گیا اور جس نے امام زمانہ کو پہچان لیا بس پھر اس کی موت کے ساتھ اس کی جاہلیت اور اس کی زندگی ختم ہو گئی" کا وعدہ بھی اس کے چھوڑ دینے پر لازم کیا گیا۔ اگرچہ حدیث کے اس معنی کے بارے میں محدثین کو اس پر اعتراض ہے اس صورت میں مردوں اور عورتوں کے لیے بیعت حاصل کرنا خود اللہ کے حکم کے مطابق اور سنت رسول اللہ کی اطاعت ضروریات دین میں شامل کی جاتی ہیں لیکن طالب خدا کے لیے ارادت کی بیعت بے شبہ واجب ہے۔ کیونکہ بغیر زن و مرد کے ملاپ کے بچہ پیدا نہیں ہوتا ہے مگر یہ چیز نادر ہے علاوہ حضرت آدم و حوا و عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔ اسی طرح مرشد کی ارادت کے بغیر کوئی طالب حق خدا کو نہیں پہچانتا ہے مگر بہ استثنی اویس قرنی و بعض دیگر لوگوں کے۔ بلکہ وہ لوگ بھی باطنی ہمت کی بنا پر اپنے پیروں تک پہنچے ہیں جیسا کہ مولوی جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں

پیر اختیار کرو بغیر پیر کے یہ سفر انتہائی آفت و خوف و خطر سے بھرا ہوا ہے ہر وہ شخص جو بغیر مرشد کے اس راہ میں چل پڑا وہ شیطانوں اور بھوتوں سے گمراہ ہوا اور کنویں میں گرا اور ہر وہ شخص جس نے تن تنہا اس راہ کو طے کیا وہ پیروں کی ہمت کی مدد سے اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

بس اب جاننا چاہیئے کہ صوفی علماء کے یہاں بیعت اور ارادت میں اختلاف ہے اور

صاحب اقتباس الانوار لکھتے ہیں کہ بیعت کے معنی مرید کا ہاتھ پکڑنا ہے اور پھر اسے پند و نصیحت کرنا اور مرید کے لیے پیر کا حکم بجالانا ہے اور اُن کے کہنے پر عمل کرنا ہے اور ارادت کا مفہوم قدیم عادات سے بچنا اور پیر مرشد کی نصیحت کو دل و جان سے سننا اور اسکو قبول کرنا اور یاد حق میں مشغول رہنا ہے اور بیعت اس وقت درست نہیں ہو سکتی جب تک اپنا ہاتھ پیر کے ہاتھ میں نہ دیدے اور پیر مرید کے سر پر قینچی نہ چلادے اور اسے خرقہ نہ دیدے اور خرقہ سے مراد کپڑے کا کوئی ٹکڑا یا ارادت کی گدڑی اور ٹوپی اور بعض لوگوں نے خرقہ اور قینچی کو لازمی شرائط میں شامل نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کا استعمال اس حد تک ہو چکا ہے کہ کسی شخص نے اس کو ترک نہیں کیا ہے۔

تعلیم مرید: سید ابن علی ساکن شیخ پور علاقہ فتح پور بسوہ بیان کرتے ہیں کہ غازی الدین حیدر شاہِ اودھ کا زمانہ تھا کہ میں لکھنو آیا اور حضرت مولانا قدس سرہ سے بیعت کی اور شجرہ چشتیہ صابریہ حضرت نے اپنے دستخط سے مجھ کو عنایت کیا لیکن اور کچھ تعلیم و تلقین نہیں فرمائی۔ میں اپنے وطن کو چلا گیا۔

اپنے گاؤں میں مقیم تھا کہ اتفاقاً خیراتی خان مرید شاہ مراد اللہ صاحب نقشبندی بہرائچی مہمان ہوئے۔ رات کے وقت اُنہوں نے مجھ کو دوستانہ تعلیم کی کہ مراقبہ میں بیٹھ کر اپنے دل پر نقش اللہ سنہرے رنگ کا تصور کرو اور اللہ کا ذکر خفی کرو اور یہ خیال قائم کرو کہ قلب کے درمیان میں ایک شمع روشن ہے کہ اس کی شعاع دماغ کی طرف جاتی ہے۔ میں نے خاں صاحب کے کہنے کے مطابق شغل شروع کیا، ایک مہینے کے بعد جنون کی کیفیت شروع ہوئی اور بُرے خیالات اور فسق و فجور کی رغبت پیدا ہوئی اور نماز سے طبیعت ہٹ گئی لیکن تہجد کی نماز اور درود پڑھتا رہا۔ ایک روز رات کو نماز کے بعد درود پڑھ رہا تھا اور حضرت مولاناؒ کا تصور تھا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ بیعت سے پہلے تو میرے دل میں یہ خیالات نہ تھے اور اب یہ نوبت ہے کہ جنون کی حالت ہو گئی ہے۔ مولانا خبر گیری بھی نہیں فرماتے۔ اسی وقت غنودگی طاری ہوئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنی مسجد میں بیٹھے وضو میں مشغول ہیں اور میاں فتح علی شاہ صاحب وضو کرا رہے ہیں میں نے سلام کیا۔ حضرت نے پوچھا خیر ہے پریشان کیوں ہو؟ میں نے اپنا حال عرض کیا فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح فلک فی الا فلاک پڑھا کرو۔ میری آنکھ کھل گئی۔ صبح کی نماز کے بعد تسبیح شروع کر دی اور پڑھتے ہی فاسد خطرات

رفع ہونے شروع ہوگئے۔ کچھ دن بعد بالکل اطمینان ہو گیا۔ میں لکھنو آیا اور حضرت کی قدم بوسی حاصل کی۔ نماز عصر کے بعد حضور میں عرض کیا کہ میں نے بیعت کا شرف حاصل کیا مگر کوئی چیز مجھے شغل اشغال کی تعلیم نہیں فرمائی گئی۔ حضرت حجرہ میں تشریف لے گئے اور مجھے تنہائی میں یاد فرمایا اور حجرہ کا دروازہ بند کرادیا پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں کبھی کوئی چیز پڑھنے کو نہیں بتائی۔ میں نے عرض کیا کبھی نہیں۔ پھر بار بار دریافت فرمایا اور پوچھا کہ بیداری یا خواب میں بھی کوئی چیز نہیں بتائی۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں خواب میں جب کہ میری جنون کی حالت تھی آپ نے تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ لفظ فلک فی الافلاک پڑھا ہوگا اور یہ کہہ کر تبسم فرمایا اور دریافت کیا کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہوا یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اُس وقت دیوانہ ہو چکا تھا صرف اس لفظ کے پڑھنے کی بدولت حضور تک پہنچنے کے قابل ہوا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مرشد کی مثال طبیب حاذق کی ہے وہ مزاج کے موافق علاج تجویز کرتا ہے۔ شغل قلبی جس سے تمہیں جذبہ پیدا ہوا تھا تمہارے حال کے مناسب نہ تھا۔

امداد مزید:۔ مولوی یعقوب صاحب ردولوی بیان فرماتے ہیں کہ نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں کچہری سے میرا تعلق تھا بعض لوگوں نے نواب ممدوح سے میری شکایت کی نواب نے فوراً سوار بھیج کر مجھ کو ردولی سے طلب کیا۔ میں نے حاکم کے غصہ کے اندیشہ سے اسی میں مصلحت سمجھی کہ ردولی سے بنارس چلا گیا۔ دل میں یہ خوف تھا کہ نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں تو اب لکھنو جانا ممکن نہ رہا۔ یہ ہی ڈر لگا ہوا تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ میں لکھنو پہنچا اور حضرت مولاناؒ کی خدمت میں مسجد شریف میں حاضر ہوا۔ حضرت مولاناؒ مسجد کے گوشہ میں بیٹھے کچھ مشورہ فرما رہے تھے جیسے ہی میں خواب سے بیدار ہوا اسی وقت جو ڈر اور خوف دل میں تھا جاتا رہا۔ صبح کو بنارس سے چلدیا اور لکھنو پہنچا اور اول مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسا کہ خواب میں دیکھا تھا بالکل اُسی طرح مجھ کو مسجد کے اندر جنوبی گوشے میں بٹھا کر تسلی دی اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اس سے اور زیادہ دل کو تقویت ہوئی پھر بھی بالکل بغیر خوف کے ہر جگہ اور بالخصوص مجالس میں نہیں جاتا۔ ایک روز حضرت مولانا قدس سرہ نے خاص طور پر یاد فرمایا اور مجھ کو خربوزے عنایت کیے اور فرمایا کہ یہ پھل حضرت مخدوم علی نبینا علیہ السلام کے توشہ کے ہیں یہیں بیٹھ کر کھالو تمہارے دل سے ڈر بالکل نکل جائے گا۔ چنانچہ

میں بیٹھ گیا اور کھالیا اور واقعی ڈر بالکل جاتا رہا اور اُسی وقت شاہ نذر محمد کے عرس میں گیا اور پھر ہر جگہ آتا جاتا تھا اور کسی نے مجھے ٹوکا بھی نہیں۔

حال بیعت شاہ غلام محمد

والد منشی غلام امام شہید:۔ مولوی امیر علی صاحب شہید کا بیان ہے کہ شاہ غلام محمد والد منشی غلام امام شہید حضرت بندگی میاں جی صاحب قدس سرہ کی اولاد میں ہیں کسی زمانہ میں شاہ حسام الدین صاحبؒ سے جن کا مزار گئو گھاٹ میں مشہور ہے بیعت رکھتے تھے۔ شہر کے لوگ ان پر طعن کرتے تھے کہ کوئی شخص بندگی میاں کے خاندان کا اپنے خاندان سے باہر مرید نہیں ہوا اور اگر کسی نے بیعت کی تو اس کو فیض نہیں پہنچا۔ اور حقیقت بھی یہ تھی کہ شاہ صاحب موصوف کو شاہ حسام الدین صاحبؒ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے جب حضرت مولاناؒ کے اوصاف آپ نے سنے تو غائبانہ اُن کے معتقد ہو گئے اور ایک دن حضرت مولاناؒ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ میں معذور ہوں بینائی بھی جاتی رہی ہے اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

ما بداں مقصد عالی نتوانیم رسید ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

حضرت مولانا صاحبؒ نے سن کر کچھ دیر تامل فرمایا اور پھر مولوی امیر علی شاہ صاحب سے کہا کہ بندگی نظام الدین قدس سرہ العزیز نے مجھ کو اجازت دیدی ہے کہ میں شاہ غلام محمد کو مرید کر لوں اور خدا کا راستہ بتاؤں اس لئے تم کو اجازت دیتا ہوں کہ اٹھی جاؤ اور میری طرف سے شاہ غلام محمد سے بیعت لو اور میری یہ ٹوپی ان کے سر پر رکھ کر دیکھو کہ کیا برکت ہوتی ہے۔ حضرت مولاناؒ کے ارشاد کے مطابق میں نے شاہ صاحب سے بیعت لی اور جیسے ہی اُن کے سر پر وہ ٹوپی رکھی ان کے دل میں عشق محبت کا جوش ہوا اور سمع کی خواہش پیدا ہوئی۔ حالانکہ بندگی میاںؒ کے خاندان میں سمع نہیں ہوتا ہے اور عالم رویا میں حضرت بندگی میاںؒ نے بھی اس بیعت پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد شاہ غلام محمد صاحب کے ہاتھ پر تقریباً پچاس آدمیوں نے بیعت کی۔ دو سال بعد آپ کا الہ آباد میں وصال ہوا۔

مرید مرشد: میاں غضنفر علی شاہ پور پلہری متعلقہ دریاباد کے زمین دار تھے۔ ابتدائے عمر میں حضرت مولاناؒ کے مرید ہوئے اور ان میں حالت جذب پیدا ہو گئی۔ عارف تخلص کرتے تھے اور ان کی بعض راگنیاں بھی مشہور ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز شاہ ہدایت احمد صاحب

مخدوم زادہ ردولی نے ان سے کہا کہ آؤ میں تم کو حضرت مولاناؒ سے خرقہ و دستار دلادوں۔ میں نے عرض کیا کہ خدا کے لئے میری کوئی بھی سفارش حضرت مولاناؒ سے نہ کیجئے گا۔ میرے حق میں جو بہتری ہو گی حضرت مولاناؒ خود کردیں گے اور خود کرتے ہیں۔ حضرت مولانا قدس سرہ روشن ضمیر تھے آپ کو اس معاملہ کی بھی خبر ہو گئی، مجھے شاباش کہا اور فرمانے لگے کہ ایک روز حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین قدس سرہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ سے نکاح کی سنت ترک ہو گئی ہے اور ڈر ہے کہ اس سنت کے ترک پر مجھ سے مواخذہ ہوا تو کیا جواب دوں گا۔ اگر شیخ المشائخ حضرت بابا صاحب قدس سرہ کا خرقہ مجھے مل جائے تو شاید اس کی برکت سے نجات ہو جائے۔ حضرت گنج شکر قدس سرہ کو اس خطرہ کا علم ہو گیا اور آپ نے حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین قدس سرہ سے فرمایا کہ "اگر تم میری کھال کا خرقہ بنالو تو بھی کچھ کام نہ دے گا تم میرے دل کو اپنا بناؤ کہ دونوں جہاں تمہارے ساتھ ہو جائیں۔

یہ حکایت سنا کر حضرت مولاناؒ نے کہا کہ تمہارے لئے بھی میرا دل کافی ہے کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے بجز حضور کے عشق کے اور کوئی چیز درکار نہیں اور یہی تمنا ہے کہ حضور کا تصور ہمیشہ میرے ساتھ رہے پھر ارشاد فرمایا کہ جو مرید اپنے پیر کو مردہ سمجھے وہ خود مردہ ہے اور جو زندہ سمجھتا ہے وہ زندہ ہے۔

عزل و نصب وزراء :۔ نواب معتمد الدولہ بہادر ابتداء عمر سے غازی الدین حیدر کے رفیق تھے۔ انھوں نے نواب سعادت علی خاں کے عہد میں جان بیلی صاحب کی سازش سے غازی الدین حیدر کی جانشینی طے کرالی اور سعادت علی خاں کا انتقال ہوا تو غازی الدین حیدر بادشاہ اور معتمد الدولہ نائب سلطنت ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد سازش ہوئی اور معتمد الدولہ معتوب ہوئے اور خانہ نشین ہو گئے معتمد الدولہ نے مولوی انوار الحق صاحب سے رجوع کیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا ہو تو سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ مولانا شاہ عبد الرحمان صاحب منظور فرمالیں۔ چنانچہ شاہ سید گلزار احمد صاحبزادہ شاہ محمد اسمٰعیل رزاقی کو مولوی انوار الحق صاحب کا سلام اور پیغام پہنچایا کہ معتمد الدولہ سید ہے اور اپنے ناشائستہ حرکات سے توبہ کر چکا ہے اور عہد کرتا ہے کہ جو کچھ بھی میر خدا بخش وغیرہ نے تبرا وغیرہ کا اعلان کیا ہے سب موقوف کردے گا اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائے گا لہذا میں نے اس کا قصور معاف کردیا۔ جناب بھی اس کا قصور معاف فرمائیں اور اس کو بحال کردیں حضرت مولاناؒ نے کچھ دیر تامل فرمایا پھر ارشاد ہوا کہ

جو کچھ مولوی صاحب کی خوشی اور مرضی ہو وہ مجھے بھی خوشی سے منظور ہے۔ سید گلزار احمد نے عرض کیا کہ حضور اس کاغذ پر اپنی منظوری کے دستخط فرمادیں۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھے مولوی صاحب کی خوشی منظور ہے وہی تحریر فرمائیں گے۔ سید صاحب نے دوبارہ عرض کیا کہ بغیر مولانا کے دستخط کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضرت مولانا نے کچھ دیر تامل کے بعد کہا کہ مجھ سے دستخط کرانے ہیں تو مولوی صاحب سے صاف کہہ دیجئے کہ "معتمد الدولہ بنا تھا اور بن کے بگڑ گیا اور پھر بنتا ہے اب بن کر نہ بگڑ جائے" یہ فرمایا اور مولوی انور الحق صاحب نے جو کاغذ بھیجا تھا اس پر دستخط فرمادیئے۔

اگلے ہی روز معتمد الدولہ بحال ہو کر پہلے سے زیادہ با اختیار ہو گئے، میر خدا بخش وغیرہ قید ہوئے اور پلٹن حیدری موقوف ہو گئی۔ سبحان علی وغیرہ نے طعن سے کہنا شروع کیا کہ معتمد الدولہ بہادر سنی ہو گئے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو بدگمانی رفع کرنے کے لئے اگلے محرم میں بہت غلو کیا۔ اور عام طور سے سنیوں کے خلاف اور بالخصوص علماء فرنگی محل کے خلاف بہت کچھ کہا سنا چنانچہ بعض لوگوں نے حضرت مولانا کو پیام بھیجا کہ آپ مسجد میں بے قید سر راہ بیٹھے ہیں مناسب یہ ہے کہ عشرہ کے زمانے میں کسی دوسرے مکان میں سکونت اختیار فرمائیں۔ حضرت نے جواب میں کہلا بھیجا اگر اللہ تعالی کو عبد الرحمان کی عزت رکھنی ہے تو اگر وہ بازار میں بھی بیٹھ جائے گا تو کوئی اس کو بے عزت نہ کر سکے گا۔ اور اگر خدا کو بے عزت کرنا منظور ہے تو لوہے کے قلعہ میں بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔

اس کے بعد جب معتمد الدولہ نے شہر میں عمارتوں کی توڑ پھوڑ شروع کی۔ اور بادشاہ بیگم اور مرشد زادہ سے کھلی مخالفت ہو گئی اور لوگوں نے مولاناؒ کے پاس آکر معتمد الدولہ کی شکایت کی رفتہ رفتہ تمام دنیا اس کی مخالف ہو گئی۔ مولانا نے فرمایا کہ معتمد الدولہ کا بال بھی بیکا نہ ہو گا اس کو اختیار ہے جو اس کی مرضی ہو کرے اور یہ مکانات اور شہر کے حصہ جو منہدم ہو گئے ہیں وہ از سر نو آباد و معمور ہو جائیں گے۔ جس مقام کو کھدواتا ہے گویا قطب و غوث وقت اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں۔ جب لوگوں نے بہت شکایتیں کیں تو صاف فرمادیا کہ معتمد الدولہ اور غازی الدین حیدر چوسر کی دو گوٹیں ہیں جن کو جگ کہتے ہیں اور ان میں سے جب تک ایک مر نہ جائے جگ نہیں ٹوٹ سکتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور غازی الدین حیدر کے انتقال کے بعد فرمادیا کہ معتمد الدولہ کا اقبال ختم ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ غازی الدین حیدر کا

لڑکا تو اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کا فرماں بردار ہے۔اس پر ارشاد فرمایا کہ عنقریب اس کی فرماں برداری کا حال معلوم ہو جائے گا۔چنانچہ چھ مہینے بعد انگریزوں نے اس کو قید کر لیا اور حضرت کے ارشاد کے مطابق واقع ہوا۔حضرت نے فرمایا کہ اس کے سید ہونے کی پاس داری تھی کہ اللہ نے اس کی عزت بچادی یقین ہے کہ وہ معہ مال واسباب یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

بے نفسی:۔ ممی خاں صاحب جو حضرت مولاناؒ کے مرید وحاضر باش تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت مولاناؒ سے ایک دفعہ سبحان علی خاں کمبوہ کے نام اپنی حاجت روائی کے لئے لکھولیا اور خان مذکور کے پاس لے گیا خان صاحب نے رقع پڑھ کر پھینک دیا اور سائل کو یہ کہہ کر اپنے گھر سے نکلوادیا تو عبدالرحمان ابن ملجم قاتل جناب امیر علیہ السلام کا رقعہ میرے سامنے کیسے لایا۔یہ شخص فوراً حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال من وعن سنادیا۔حضرت نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ ایک رقعہ اور لے جاؤ۔سائل نے عرض کیا کہ کیا حضور اس سے مجھے ذلیل کرانا چاہتے ہیں۔تو فرمایا کہ نہیں انشاءاللہ وہ تمہارا کام پورا کردے گا۔ چنانچہ حضرت مولاناؒ نے اپنی زبان مبارک سے یہ مضمون رقعہ کا لکھایا "اس فقیر کے حق میں تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سب صحیح ہے اور مناسب ہے لیکن تمہیں خوب معلوم ہے کہ تمہارے آقا جناب علی مرتضٰی علی نبیناوعلیہ السلام نے اپنے قاتل کے ساتھ کس قدر مہربانی فرمائی تھی۔ تم کو بھی اپنے آقا کی پیروی لازم ہے" جیسے ہی سائل نے یہ دوسرا رقعہ حضرت مولاناؒ کا سبحان علی خاں کو دیا، دیکھتے ہی اس کو پچیس روپے نکال کر دے دئے اور کہا کہ فی الحقیقت مولوی عبدالرحمٰن بالکل نفس نہیں رکھتے ہیں اور اس روز سے حضرت مولاناؒ کی عظمت ان کے دل پر نقش ہو گئی۔

نذر جاگیر: حضرت میاں فتح علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مرزا فضل علی خاں چکلہ دار قدیم ردولی نے جو غازی الدین حیدر کے زمانے میں ملازمت سے برطرف ہوگئے تھے۔حضرت مولانا سے رجوع کیا۔اور ایک فرد نذرانہ معافی لکھ کر خدمت مبارک میں پیش کی جس کی رو سے ایک گاؤں جس کی جمع ایک ہزار چار سو روپیہ سالانہ تھی حضرت مولاناؒ کے خرچ اور باورچی خانہ کے نام سے نذر کیا تھا۔حضرت نے وہ دستاویز میرے سپرد کردی اور ان سے کہہ دیا کہ انشااللہ بحال ہو جاؤ گے چنانچہ تین روز کے بعد چکلہ دار مذکور بحال ہوگئے۔اور حضرت مولاناؒ کے حضور میں حاضر ہوئے اور دو اشرفی اور پانچ روپے

نذر پیش کی۔اور عرض کیا کہ صرف حضور کی توجہ سے بحال ہوا ہوں۔

اُس وقت حضرت مولاناؒ نے دستاویز معافی مجھ سے طلب فرمائی۔میں دل میں خوش ہوا کہ اس قدر جاگیر اب حضرت کو مل جائے گی اور نہایت فراغت سے گزر ہو گی میں فرد لے کر حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ یہ خیال دل سے نکال ڈالو میر اادر تمہارا رزق دینے والا خدا ہے اور مرزا فضل علی خاں سے کہا کہ اب میں اس کاغذ کو چاک کئے دیتا ہوں۔انھوں نے عرض کیا کہ غلام اپنا وعدہ پورا کرنے اور نذر دینے کے لئے حاضر ہوا ہے اگر ارشاد فرمایا جادے تو ماہوار حاضر کردوں یا فصل بہ فصل یا سالانہ جیسی مرضی ہو۔حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنے لئے نذر قبول نہیں کی ہے یہ نذر حضرت شیخ العالم صاحب ولایت ردولی کے لیے ہے وہاں دو سجادہ نشین ہیں۔اس معافی کے گاؤں کی آمدنی شاہ علی احمد صاحب کو اور مبلغ چار سو روپیہ نانکارہ شاہ بخشش احمد صاحب کو نسلا بعد نسلا پہنچتے رہیں۔چنانچہ جناب کے ارشاد کے مطابق اسی وقت پروانے جاری ہو گئے اور سرکاری دفتر میں بھی ان کا اندراج اور منظوری ہو گئی۔

تعبیر خواب: غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے انتقال سے ایک سال پہلے بادشاہ بیگم نے جن کا خطاب خاص محل تھا میاں اسد اللہ تیر انداز کو حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بھیجا،اور انہوں نے بیگم صاحبہ کی تنگدستی،پریشان حالی اور مرشد زادہ کی تکلیف بیان کی۔مولانا نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ انگریزوں نے معتمد الدولہ کو گرفتار کر لیا ہے اور تمام محلات کا محاصرہ کر لیا ہے اس سے پہلے نظام الملک والی حیدر آباد کے بارے میں بھی میں نے ایسا ہی خواب دیکھا تھا اور تین سال کے بعد وہ ظہور میں آیا تھا۔میں نہیں کہ سکتا کہ اس خواب کا ظہور کب ہو گا۔لیکن بیگم صاحبہ کو اطمینان دلا دو کہ جس قدر تکلیف اور تنگدستی انھوں نے برداشت کی ہے اسی قدر آرام اور فراغت حاصل ہو گی اور تمام ملک و مال کا مالک مرشد زادہ ہو گا۔اگر چہ اللہ نے مجھے طاقت دی ہے کہ آج ہی معتمد الدولہ کو زیر و زبر کر دوں لیکن وہ سید ہے اس کو کوئی نقصان پہنچانا میں جائز نہیں سمجھتا،ورنہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔

ایک سال بعد اس خواب کی تعبیر اسی طرح ظاہر ہوئی یعنی مرشد زادہ نصیر الدین حیدر اپنے باپ کے تخت پر بیٹھے اور بادشاہ بنائے گئے اور چھ مہینے بعد معتمد الدولہ کو انگریزوں نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔لیکن حضرت مولاناؒ کی توجہ اور ان کے سید ہونے کا جو لحاظ آپ کو تھا

اس کا یہ اثر ہوا کہ معتمد الدولہ کا مال واسباب محفوظ رہا اور عزت و آبرو پر حرف نہ آیا۔

منکر توحید: جناب سید حسن ابن سید محمود بغدادی از اولاد سید عبدالعزیز بڑے فرزند قطب ربانی غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھنو میں تشریف لائے تھے اور حضرت مولاناؒ کے مزار پر فاتح پڑھی تھی اور جناب مولوی نوراللہ صاحب سے ملاقات کی اور یہ واقعہ بیان فرمایا کہ تقریباً بیس سال ہوئے کہ میں اسی مسجد میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ صوفیوں سے بد اعتقاد تھا اور کہتا تھا کہ اس زمانہ کے مشائخ میں سوائے قال کے حال نہیں ہے اور ان کا دعویٰ توحید اور وحدتِ وجود کے بارے میں سراسر کفر ہے اور ان کے وجد و طرب کی حالت بالکل جھوٹ اور بناوٹی ہے۔ میں نے حرمین شریف سے لیکر ہر جگہ مختلف ممالک کی سیاحت کی اور اسی نتیجہ پر پہنچا۔ جب لکھنو آیا تو صحبتیا باغ میں قیام کیا اور یہاں مولوی مستعان اور علماء فرنگی محل سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ اس شہر میں کون درویش صاحب حال ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ مولوی عبدالرحمٰن مسجد پنڈائن میں وحدت وجود کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر ان کے کہنے پر ہم علماء اعتقاد نہیں رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں وہاں جاؤں گا اور ان کے قول کی قرآن وحدیث سے تردید کروں گا۔ چنانچہ اسی ارادے سے خواجہ باقی صاحب کے ساتھ اسی مسجد میں آیا۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے مجھے دور سے دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھ کو اپنے مصلے پر بیٹھایا۔ اس وقت میرا یہ حال تھا کہ دونوں ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی تھی اور دانتوں پر مسی جمی تھی سر کے بال بڑے تھے گوٹا کناری کی پوشاک تھی، اور دونوں ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں پڑی تھیں، گلے میں سونے کی زنجیر تھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں سونے کے چھلے پہنے ہوئے تھا۔ میں نے حضرت مولاناؒ سے سوال کیا کہ میں اس رندانہ شکل میں آیا ہوں اس سے پہلے کبھی آپ نے مجھے دیکھا نہ ہوگا پھر میری عزت افزائی اور احترام کی کیا وجہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں حضرت پیر دستگیرؒ کی اولاد کو بھی حضرت غوث پاکؒ کی جگہ سمجھتا ہوں اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ ان بزرگ کو از راہِ کشف میرے نسب کا پتہ چل گیا ہے۔ میں نے پورا ارادہ کر لیا کہ ان سے مسئلہ وحدت وجود کی ضرور تحقیق کروں گا۔ ابھی میں نے کچھ نہ کہا تھا کہ مولاناؒ نے خود ہی سوال کیا کہ آپ کے بزرگوں کا عقیدہ توحید تھا آپکو بھی کچھ توحید کا حصہ پہنچا ہے میں نے دریافت کیا کہ آپ کا حال ہے یا قال۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ قال۔ میں نے کہا کہ

پھر تو تم کافر ہو۔ بس میاں دھرے رہو۔

اور یہ کہہ کر میں اٹھ گیا۔ مسجد کے دروازے تک پہنچا تھا کہ مولانا میرے پیچھے آئے اور مجھ کو پالکی پر سوار نہ ہونے دیا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "آپ کا حال ہے یا قال بس میاں دھرے رہو" اس بات سے میرے دل میں ایسی تاثیر پیدا ہوئی کہ مولاناؒ کے ساتھ واپس ہوا اور مسجد پہنچنے تک میرا حال غیر ہو گیا۔ عمامہ کھل کر گلے میں آگیا۔ مجھے اپنے مصلے پر بیٹھالیا اور دو تین بار ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ آپ کا حال ہے یا قال بس میاں دھرے رہو۔ اب میری یہ حالت ہو گئی کہ نیم بسمل مرغ کی طرح مسجد کے صحن میں تڑپنے لگا۔ مولاناؒ کو جوش آگیا اور بار بار اس فقرہ کی تکرار فرمانے لگے۔ پندرہ بیس آدمی جو اس مسجد میں حاضر تھے سب پر کیفیت طاری ہو گئی یہاں تک کہ میری پالکی کے کہار بے اختیار رونے لگے۔ تین چار گھڑی یہ حالت قائم رہی۔ اس کے بعد حضرت مولاناؒ نے پانی طلب فرمایا اور تھوڑا سا مجھے پلایا۔ مجھے ہوش آگیا اور میں آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس وقت سے موحد کامل اور صوفیوں کا معتقد بن گیا۔

میری حالت یہ ہے کہ آج بھی وہ الفاظ یاد آتے ہیں تو مجھ پر کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

تین برس مولانا کی محبت میں اسی شہر میں قیام کیا اور دوسرے تیسرے دن حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں آپ میرے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور مجھ کو اپنے مصلے پر بٹھاتے اور کمال عزت سے پیش آتے تھے۔ دوبارہ ایک مہینہ کے لئے آیا اور فیض حاصل کرتا رہا۔ اب تیسری مرتبہ حاضر ہوا ہوں یہاں پہنچ کر حضرت کے وصال کا حال معلوم ہوا۔ اب مزار شریف پر حاضر ہوا۔ اور وہی تاثیر پائی۔ چنانچہ جو قوال موجود تھے ان سے بھی میں نے فرمائش کی اور انھوں نے گایا "آپ کا حال ہے یا قال بس میاں دھرے رہو" اور وہی کیفیت پیدا ہوئی۔

جاں نثاری حمایت اللہ خاں: سات سال آپ کے وصال سے پہلے حضرت مولانا قدس سرہ کو ۱۵ ذلحجہ کو سرسام ہوا اور ایک روز ایسی بیہوشی و غشی رہی کہ آپ بالکل بے حس و حرکت رہے اس حالت میں اگر کوئی ضرورت ہوتی یا نماز کا وقت آتا تو آپ بے اختیار اٹھ بیٹھتے اور مسجد کے ادب کے خیال سے طشت استعمال نہ فرماتے۔ سادات کی تعظیم اور شرعی امور کا لحاظ عین بیہوشی میں بھی رکھتے تھے۔ بیماری کی اتنی شدت ہوئی کہ لوگ مایوس ہو گئے اور تجہیز و تکفین کی طیاری شروع ہو گئی اس حالت میں حمایت اللہ خاں جو مرید اور عاشق حضرت

مولاناؒ کے تھے اور آپ کے لکھنو تشریف لانے کے وقت سے برابر خدمت میں رہتے تھے اور اسی احاطہ میں مسجد کی دیوار کے نیچے قیام تھا اپنے مرشد کا یہ حال دیکھ کر اللہ کے حضور میں نہایت آہ وزاری کے ساتھ دعا کی یا اللہ میں حضرت کی وفات اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں اور ایسا ہو کہ اس وقت حضور کی شفاء ہو جائے اور میں آپ کے سامنے ہی وفات پاؤں تا کہ حضرت میرے جنازے کی نماز پڑھادیں۔ یہ کہہ کر سات مرتبہ حضرت کے گرد پھرے اور قربان ہوئے۔ اللہ تعالٰے کے فضل سے حضرت کو شفا ہو گئی۔

پنو خاں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مولاناؒ کے سامنے حمایت اللہ خاں کی دعا کا ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا کہ حمایت اللہ خاں نے اپنی جان مجھ پر قربان کردی۔ جیسے ہی کہ حضرت کو صحت ہوئی حمایت اللہ خاں بیمار ہوگئے۔ مولاناؒ نے تاکید فرمائی کہ اس منحوس مکان سے نکل جاؤ۔ حمایت اللہ نے فرنگی محل کے قریب مکان لے لیا لیکن آنے جانے کی طاقت نہ تھی حضرت مولانا قدس سرہ پنو خاں کو حمایت اللہ خاں کی عیادت کو بھیجتے تھے۔ حمایت اللہ خاں کہنے لگے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں حضور مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت کا بستر مسجد میں لگا ہوا ہے حضرت نے فرمایا کہ بستر پر لیٹ جاؤ، میں نے عذر کیا کہ بے ادبی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ الامر فوق الادب۔ پنو خاں نے جو اس وقت حضور مولانا صاحب کے پیر دبا رہے تھے کہا کہ حضرت مولاناؒ جو فرماتے ہیں اس کی تعمیل کرو تب میں حضرت کے برابر لیٹ گیا۔ پنو خاں نے کہا کہ میں نے بھی حرف بہ حرف یہی خواب دیکھا ہے۔ دوسرے دن حضرت مولاناؒ نے پنو کو بھیجا اس وقت خاں صاحب کی حالت خراب تھی مگر وہ نہایت خوش و خرم تھے اور کہتے تھے کہ اب مجھے موت کا ڈر نہیں میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا صاحب قدس سرہ حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب قدس سرہ کے مزار کے سامنے بوریہ پر بیٹھے ہیں اور میری سفارش کر رہے ہیں۔ میں بھی وہیں پہنچ گیا۔ جب میں اس جگہ سے اٹھا تو میرے پاؤں میں لغزش ہوئی ایک بزرگ نے جن کی داڑھی سفید تھی یہ چاہا کہ میرا ہاتھ پکڑیں مگر حضرت آگے بڑھے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ علاوہ اس کے کہ ہر روز مجھ پر سکرات کی حالت ہو جاتی ہے اور حضرت مولاناؒ کو میں اپنے پاس بیٹھا پاتا ہوں۔ بس میری جو غرض تھی وہ حاصل ہو گئی۔

آخر ان کا انتقال ہو گیا اور حضرت مولانا قدس سرہ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

بشارت: حسب معمول جمعہ کے روز محفل سماع منعقد تھی اور حضرت مولانا قدس سرہ مسجد کے صحن میں حجرہ کی جانب اور قوال چبوترے پر جو مسجد سے ملحق مشرق کی سمت تھا بیٹھے تھے اور اہل محفل دورویہ بیٹھے ہوئے لطف اندوز ہو رہے تھے مولوی نور اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں حضور کے روبرو ادب سے پیچھے ہٹ کر بیٹھا تھا مہتاب خان قوال اُسی وقت مرید ہوا تھا ور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا بدھوا گا رہا تھا۔

آج رنگ ہے اے مارنگ ہے آنند　　بدھاوا مورے گھر میں
میں بیر پایو نظام الدین اولیاء　　وہ تو منہ مانگے پرشن ہے

اس وقت حضور مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر اور آنکھوں سے آنسو جاری ہونے لگے اور اس کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین محفل پر ظاہر ہونے لگا اور ہر شخص عام و خاص اس کیفیت سے متاثر اور لطف اندوز ہوا اس مبارک موقع پر حضور نے فرمایا کہ "نور اللہ تم کہاں ہو، سامنے آؤ"۔

اس پر میں سامنے آیا اور آگے بڑھ کر حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میں تم کو ایک گوہر بے بہا دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ عنایت ہو۔ ارشاد فرمایا کہ جو بشارت حضرت گنج شکرؒ نے حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین اولیار حمتہ اللہ علیہ کو دی تھی وہی بشارت تمہارے لئے ہے۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ بغیر تمہارے اور تمہارے سب مریدین و مخلصین و متبعین کے جنت میں نہیں جاؤں گا۔ اس ارشاد مبارک کے سنتے ہی میں نے کمال خضوع و خشوع سے حضور کے قدموں میں سجدہ تہنیت ادا کیا اور عرض کیا۔

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

اشارہ: پانچ روز قبل اپنے وصال سے مولانا قدس سرہ نے مولوی نور اللہ صاحب کو فجر کی نماز کے لئے امام بنایا۔ اور خود ان کا اقتداء فرمایا۔ اسی روز دوپہر سے پہلے شیخ عبد القادر جو دہلی کے رہنے والے اور میر مہدی بیدار کے مرید تھے حجرہ میں آئے اور مولاناؒ کی مزاج پرسی کی۔ اس کے بعد حضرت مولانا فخر الدین محمد قدس سرہ کا ذکر خیر شروع ہو گیا۔ اس وقت حضرت مولاناؒ لیٹے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ تم کو معلوم ہے کہ مولانا فخر الدین محمد صاحب قدس سرہ کس طرح اٹھائے گئے تھے شیخ صاحب نے عرض کیا کہ میں اس وقت چھوٹا تھا معلوم نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کوتوال شہر نے گیارہ آدمیوں کو جو میواتی تھے حکم دیا کہ

جنازہ اٹھا کر حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی درگاہ میں لے جائیں۔ شیخ مذکور نے تصدیق کی کہ فی الحقیقت اس روز کوئی ہنگامہ شہر میں ہوا تھا اس لئے ایسا ہی اتفاق پیش آیا تھا۔ اس وقت حضرت مولاناؒ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ اسی احاطہ میں مخلوق جمع ہے اور ایک جنازہ ہے جس کو لوگ مسجد کی طرف کھینچتے ہیں اور جنازہ اونچا ہو جاتا ہے لوگوں کے سروں پر سے گزرتا ہے، ان کو فیض پہنچتا ہے اور اس احاطہ میں گشت کرتا ہے۔

حال وفات

فَسُبحَانَ الَّذِی بِیَدِہِ المَلکُوتُ کُلِّ شَیءٍ وَاِلَیہِ تُرجَعُونَ

سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں حکومت ہے ہر شئے کی اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

سلسلہ علالت: حضرت مولانا قدس سرہ کے وصال اور آخر زمانے کے حالات میں لکھا ہے کہ اگرچہ آپ کو استسقاء کی شکایت پہلے سے تھی اور اکثر اعضاء پر ورم ہو گیا تھا لیکن تکالیف میں بخار کی وجہ سے شدت یکم ذی قاعدہ ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء روز یکشنبہ سے ہوئی۔ چنانچہ اس روز شب خیزی کے معمولات تمام و کمال ادا نہ فرما سکے اور روز دو شنبہ کو نماز فجر کی امامت بھی بڑی دشواری سے فرمائی اور اس کے بعد جب اپنے معمول کے موافق کلام مجید و مثنوی شریف پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو حواسِ ظاہری اور اعضاء پر قابو نہ رہا اور مجبور اُحجرہ کے اندر بستر پر آرام فرمایا اور اپنی زندگی سے مایوسی ظاہر فرمانے لگے۔ آپ نے آب شورہ طلب کیا۔ لوگوں نے ورم اور استسقاء کے خوف سے آب شورہ تیار کرنے میں تامل کیا۔ حضرت نے یہ شعر پڑھا ؎

بیار بادہ کہ مینائے عمر لبریز است
مریض را دمِ آخر چہ جائے پرہیز است

اس وقت سب کو گمان ہوا کہ شاید اب وقت آگیا ہے اور آج دو شنبہ کا دن ہے ممکن ہے آپ اسی روز سفر آخرت اختیار فرمائیں خود حضور مولانا قدس سرہ نے گفتگو بند کر دی اور ذکر قلبی میں مشغول ہو گئے۔ بخار کی شدت بڑھتی گئی لیکن ورم کم ہونے لگا۔ بظاہر غفلت زیادہ بڑھ گئی لیکن اس عالم بیہوشی میں جب نماز کا وقت آتا تو نماز کا نام سنتے ہی اٹھ جاتے اور وضو کر کے رو بہ قبلہ بیٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ دو شنبہ کے روز ظہر کے وقت سے

مولوی نوراللہ صاحب کو حکم فرمایا کہ نماز جماعت کی امامت کریں۔

تیاری احاطہ مسجد: اس روز تک احاطہ کا مکان جو مسجد سے ملحق تھا اور منتظم الدولہ سے بقیمت مبلغ دو ہزار روپیہ خرید کیا گیا تھا اصلی حالت میں باقی تھا یعنی اس احاطہ میں کئی مکان پختہ اور خام حالت میں تھے اور ہر مکان میں کنواں بنا ہوا تھا اور زمین اس احاطہ کے صحن مسجد سے تقریباً تین گز نیچے تھی۔ حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ خواہش تھی کہ احاطہ کے سب مکانات بیخ و بنیاد سے کھدوا کر زمین ہموار کر دی جائے اور صحن مسجد کے برابر ہو جائے یہ کام ایسا تھا کہ بہت خرچ کی ضرورت تھی اور دس بارہ روز سے کم میں اس کی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن حضرت مولاناؒ کی کرامت سے اسی روز محمد نذر علی خاں بہادر داروغہ اصطبل سلطانی نے کہ حضرت کے خاص مرید تھے بیل دار مزدور بلا کر مکانات کی کھدائی شروع کی اور خود بھی اس کام میں شریک ہوئے۔ بعد کو صدہا آدمی مرد عورت جن میں جوان اور بوڑھے سب ہی شامل تھے غیب سے آکر اس کام میں شریک ہوتے گئے۔ چنانچہ ڈھائی گھڑی میں مکانات جڑ بنیاد سے کھود کر اور اینٹ و لکڑی علیحدہ کر کے چہ بچہ پٹوا کر، زمین کو مسجد کے صحن کے برابر کر دیا۔ اور اس میدان میں تھوڑے ہی عرصہ میں شہر کے باغبانوں نے چمن بندی کر دی۔ سقوں نے آب پاشی کی اور وہ قطع زمین گلزار بن گیا۔ مسجد کے دروازہ کے مقابل حضرت مولانا کے مزار مبارک کی جگہ تجویز کر کے اس پر ایک شامیانہ سبز تافتہ کا نصب کر دیا۔ اسی عرصہ میں نمازِ عصر کا وقت آیا تو حضرت مولانا قدس سرہ نے نماز کا قصد کیا اور دریافت فرمایا کہ آج جمعرات ہے مولوی حاجی قدرت اللہؒ نے عرض کیا کہ آج پیر کا دن ہے اب منگل کی رات شروع ہو گی آپ نے سکوت فرمایا اور عصر کی نماز اشارہ سے ادا فرمائی۔ ان چند روز میں ایسے عجیب واقعات پیش آئے کہ ان سے سب کو حیرت ہوئی اول یہ کہ مرزا کلن بیگ صاحب مہونوی کہ حضرت مولاناؒ کے مرید قدیم اور مخلص صمیم تھے اس وقت حضرت مولاناؒ کے سرہانے حاضر تھے اپنے دل میں کہنے لگے کہ قصیدہ بردہ حفظ کیا تھا، افسوس کہ حضرت مولاناؒ کو سنانے کی نوبت نہ آئی۔ اور نہ حضرت سے اجازت حاصل کر سکا۔ حضرت مولانا قدس سرہ اپنے اسی حال میں ان کے خطرہ سے آگاہ ہو گئے اور فرمایا کہ مرزا کلن بیگ، اگر تم نے قصیدہ یاد کیا ہے تو پڑھو میں سنوں۔ حسب ارشاد مرزا صاحب نے شروع کیا۔ حضورؒ نے فرمایا کہ ایسی ترتیل اور تدریج سے پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں چنانچہ اپنی زبان مبارک سے چند اشعار قصیدہ

شریف کے کمال تانی و ترتیل کے ساتھ پڑھتے اور بتاتے رہے۔ مرزا صاحب کے پڑھنے میں جہاں کہیں غلطی تھی اس کو صحیح فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں اجازت دیتا ہوں قصیدہ طیبہ کی تم کو تمہاری اولاد کو اور سب مریدوں، طالبوں اور دوستوں کو اپنی اجازت کاملہ شاملہ متعدیہ الی یوم القیامت۔

دوسرے یہ کہ اس رات میں مرزا کلن بیگ نے حضور سے عرض کیا کہ خداوند نعمت کے ہر وقت زبان مبارک پر جاری ہے کہ اجل ہماری آ پہنچی لیکن ہم غلام تو یہ سمجھتے ہیں کہ

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدہ عالم دوامِ ما

حضرتؒ نے فرمایا

ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

اور دیر تک یہ مصرعہ زبان مبارک پر جاری رہا۔ اس وقت میاں اسد اللہ صاحب نے جو حضرتؒ کے خاص مریدوں میں تھے اور خدمت پاچپی پر معمور تھے خوش آوازی سے حافظ علیہ الرحمۃ کی یہ غزل شروع کی:۔

ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکامِ ما

اور اس شعر کی تکرار فرماتے رہے ؎

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوامِ ما

اس وقت حاضرین پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کا بیان دشوار ہے۔ ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت مولانا قدس سرہ کو اس بیقراری کا اندازہ ہو گیا تھا۔ جو آپ کے خدام اور متوسلوں کو حضرت کی جدائی پر پیش آنے والی تھی۔ اور ان کی تسلی و تسکین اور ان میں تحمل برداشت اور ہمت پیدا کرنے کے لئے حضرت مولاناؒ نے ان کی دستگیری فرمائی ورنہ ایسے حادثہ پر کسی کو مجالِ صبر نہ ہوتی۔

بشارت مغفرت:۔ تیسری یہ کہ شنبہ کے روز حضرت مولاناؒ حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ دوپہر کے وقت زوال کے قریب آپ کا حال متغیر ہوا۔ جناب مولوی نور اللہ صاحب نے عرض کیا کہ پیر مرشد کو خوب معلوم ہے کہ حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

مرض الموت میں حضرت جبریل علیہ السلام کے توسط سے اپنے خالق اکبر سجانہ سے کس قسم کے سوال جواب کئے تھے اور جب تک اپنی امت کی طرف سے پورا اطمینان حاصل نہ کر لیا اس دنیا سے اٹھنے کا اقبال نہیں کیا۔ قبلہ و کعبہ بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم ہیں۔ چاہئے کہ جب اپنے متوسلوں کی نجات و بخشش کا اطمینان نہ ہو اس دنیا سے رحلت نہ فرمائیں حضرت مولانا قدس سرہ نے تامل فرما کر ارشاد فرمایا کہ متوسلوں اور دوستوں کے واسطہ بلکہ دشمنوں کے لئے بھی۔ اس پر مولوی نوراللہ صاحب نے یہ شعر عرض کیا۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

اسی روز حضرت مولاناؒ حجرہ کے اندر تشریف رکھتے تھے جناب مولوی نوراللہ صاحب نے آپ کی نبض دیکھی۔ اسی حالت غفلت میں ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب ہوں گے انھوں نے عرض کیا کہ جی غلام حاضر ہے، اس پر ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب کے مثل کہاں پیدا ہوتے ہیں رحمتہ اللعالمین ہیں ع

ہست دلنا رحمتہ اللعالمین

مولوی نوراللہ صاحب نے عرض کیا۔

ترا ہمچو بندہ بیفتد بسے مراچوں تو خواجہ نباشد کسے

آپ یہ شعر سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور پھر مستغرق ہو گئے۔

معمولات کی پابندی: حضرت مولاناؒ کا معمول قدیم تھا کہ نماز مغرب کے بعد عشاء کی نماز تک قبلہ رو بیٹھ کر مراقبہ فرماتے تھے سہ شنبہ کے روز بھی نماز کے بعد حسب معمول بلا اعانت اور بغیر سہارے کے اسی طرح بیٹھے لیکن اپنے اوپر قابو نہ رہا اور سر مبارک زمین کی جانب جھکنے لگا۔ ہر چند عرض کیا گیا کہ عشاء کی نماز میں دیر ہے حضور اس وقت تک بستر پر آرام فرمائیں مگر قبول نہ فرمایا۔ تب مولوی نوراللہ صاحب نے تیمم کے لئے مٹی حضور میں پیش کی حضرت مولاناؒ نے غفلت بیہوشی میں اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اور فرمایا کہ ابھی عشاء کا وقت نہیں آیا ہے۔ پھر عرض کیا کہ نماز عشاء کی اذان ہو گئی ہے۔ حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ اذان وقت سے پہلے ہوئی ہو گی۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ فی الحقیقت اذان قبل از وقت ہو گئی تھی۔ سبحان اللہ عین بیہوشی میں جو اوقات کی پابندی کا یہ حال ہو تو بیداری و ہشیاری کا تو کیا ذکر۔

حالت جذب: چار شنبہ کو تقریباً ایک گھڑی دن رہے حجرہ شریف میں حالت استغراق میں لیٹے ہوئے تھے کہ یکبارگی اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس وقت آپ پر حالت جذب طاری ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خداوند اکبر سے خطاب کر کے کہتے ہیں تخفف عنا یوما من العذاب (ترجمہ) "ہم سے ہلکا کر دے ایک دن کچھ عذاب کس واسطہ منظور نہ ہوا، اگر ایک دن کم ہو جاتا تو کیا نقصان تھا" اور اس کلمہ کو بار بار زبان مبارک سے فرمایا اور پھر انتہائی جوش میں فرمایا تیری دوزخ کہاں ہے مجھے اس میں ڈال دے تاکہ میں اس کو ٹھنڈا کر دوں۔ اس وقت چہرۂ مبارک کا رنگ سرخ ہو گیا اور کمال جلال سے اپنے ہاتھ بلند فرما کر کہا کہ مجھے کھڑا کرو چنانچہ شاہ ہدایت احمد صاحب اور میاں فتح علی صاحب اور دوسرے حاضرین نے آپ کو سہارا دے کر کھڑا کیا اور فرمایا کہ مجھے لے چلو، حاضرین نے عرض کیا کہ کہاں حضور کو لے چلیں۔ فرمایا کہ دوزخ میں، اور حجرہ سے لیکر صحن تک دوسروں کے سہارے سے آکر وہاں بیٹھ گئے، اور پھر کھڑے ہوئے اور پھر حجرہ میں تشریف لے گئے پھر صحن میں نکل آئے اور فرمایا کہ دوزخ مجھے نہیں ملتی کہ میں اسے ٹھنڈا کر دوں۔ اس کے بعد حجرہ میں جاکر بستر پر لیٹ گئے اور بیخود ہو گئے۔ رنگ چہرۂ مبارک کا زرد ہو گیا اور پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ مولوی نور اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ایسی حالت حضرت کی کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اس روز نماز مغرب کے بعد مولوی نور اللہ صاحب کو یاد فرمایا اور تین مرتبہ افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد خود فرمایا۔ اور مولوی نور اللہ صاحب سے تین مرتبہ کہلوایا۔ مولوی صاحب تسلیم بجالائے اس لئے کہ یہ آیت شریف حضرت مولاناؒ کا خاص وظیفہ تھا ہر وقت اور ہر ساعت زبان مبارک پر جاری رہتا تھا۔ اپنے خطوط پر بھی بجائے نام اور مہر کے حضرت مولاناؒ اسی آیت کو لکھتے تھے اور بعد وصال شریف کے جناب مولوی نور اللہ صاحب نے اسی آیات کے الفاظ افوض امری الی اللہ سے مادہ تاریخ رحلت نکالا غالباً اس وقت کی تعلیم کا منشاء بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا تھا۔

ہست اشارت محمد المراد گل کشاد اندر کشاد اندر کشاد

پنجشنبہ کے روز تھوڑا افاقہ ہوا۔ وضو فرمایا اور نماز فجر سے فراغت حاصل کی، پھر ارشاد ہوا اس مسجد میں مثنوی شریف کے درس کا معمول ہے مجھے وہاں لے چلو ہر چند بے طاقتی کا عذر کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ ہماری زندگی کا آب حیات مثنوی ہے چنانچہ آپ کو

مسجد میں لے گئے اور قبلہ رو بٹھایا۔اور میاں عزیز اللہ، میاں اسد اللہ میاں علیم اللہ اور مولوی نور اللہ چار اشخاص مثنوی خواں نے تھوڑا تھوڑا سبق پڑھا۔اس کے بعد فتح محمد حجام حسب معمول حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آج جمعرات کا دن ہے اصلاح حجامت کا معمول ہے۔ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ۔چنانچہ بخوبی اصلاح بنوائی۔اور اس کے بعد حجرہ میں پہنچا دیا اس روز شام کے وقت حضرت کو مسجد کے صحن میں لے آئے اور بستر پر لٹا دیا اور اعلان کر دیا جس کا جی چاہے زیارت کے لئے آئے۔چنانچہ تمام رات اور تمام دن گروہ در گروہ خلائق مرد عورت شیعہ، سنّی، اور ہنود برابر زیارت و بیعت کے لئے آتے رہے، پھول اور شیرنی اس کثرت سے جمع ہو گئی جس کی حد و غایت نہیں۔چونکہ حضرت مولاناؒ کو بیعت کے ایجاب و قبول کی طاقت نہ تھی اس لئے میاں فتح علی شاہ صاحب حضرت کا ہاتھ مرید کو دے کر ایجاب و قبول کراتے تھے اور جب ذرا افاقہ ہوتا تو لفظ مبارک باد حضرت مولاناؒ بنفس نفیس ارشاد فرماتے اور بالعموم بیعت کے بعد مرید کو حالت گریہ وزاری کی پیدا ہوتی تھی۔اسی رات کو مولوی نور اللہ صاحب کو خیال گزرا کہ آج رات مولانا کا معمول تھا کہ ایک ہزار مرتبہ صلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصاحبہ وسلم کا ورد فرماتے تھے، چاہئے کہ آج رات بھی قضا نہ ہو لہذا وکالتاً ادا کرنا چاہئے۔ چنانچہ میاں فتح علی شاہ صاحب مولوی نور اللہ صاحب اور میاں محمد غوث نے حضرت مولاناؒ صاحب کے روبرو بیٹھ کر ورد پورا کیا۔

عجیب واقعہ: اسی دوران میں ایک عجیب واقعہ ہوا کہ منشی غلام ابراہیم بردوانی ثم السہارنپوری جو جناب سید احمد صاحب کے مرید تھے اور کچھ عرصہ سے احاطہ مسجد میں قیام پذیر تھے، بیان کرتے ہیں کہ ڈیڑھ پہر رات گزری ہوگی کہ میں غنودگی کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ کسی عظیم الشان اور جلیل القدر بزرگ کی سواری احاطہ میں داخل ہوئی۔میں نے ہمراہیوں سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ جواب ملا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولوی عبد الرحمان کو دیکھنے تشریف لائے ہیں۔منشی جی مذکور کا بیان ہے کہ اس خبر کو سن کر میں مسجد کی طرف دوڑا کیا دیکھتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے چبوترے پر چار زانوں بیٹھے ہیں اور مسجد کا سارا چبوترا چہرۂ مبارک کے نور سے روشن اور تاباں ہے، میں نے چاہا کہ حضور کے قدم مبارک تک پہنچوں فوراً نظر سے غائب ہو گئے منشی صاحب اسی وقت اٹھ کر مسجد میں آئے اور نہایت حیران تھے اور ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر کہتے تھے کہ واللہ باللہ

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ بیٹھے دیکھا ہے۔

استغراق: شہر کے طبیب و حکیم برابر آتے تھے اور نبض کی حالت دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے تھے نبض ایسی قوی تھی جیسی حالت صحت میں ہونی چاہئے اور روح شاداں بے رنج و محن پھر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ضعف کی یہ کیفیت اور غفلت کا یہ عالم کیوں ہے۔ چونکہ حضرت کو نماز کا برابر خیال رہتا تھا اس لئے آپ کا بستر پورب اور پچھم بچھایا گیا تھا تاکہ اٹھیں تو قبلہ رو بیٹھ سکیں، لیکن حضرت نے اس بستر پر آرام نہیں فرمایا اور باوجود بیہوشی کے نماز مغرب سے عشاء تک بیٹھے رہتے تھے۔ بعد نماز عشاء کے لوگوں نے چاہا کہ اسی حال میں آرام فرمائیں اور لیٹ جائیں لیکن جب لٹایا تو آپ نے پاؤں کھینچ لئے اور اٹھ بیٹھے اس لئے کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہوتے تھے آخر کار بستر اُتر دکھن (جنوب شمال) بچھادیا گیا۔ تب آپ نے آرام سے استراحت فرمائی۔ آخر رات میں حضرت کے گرد اگرد حفاظ بیٹھ گئے اور سورہ یٰسین سورہ ملک وغیرہ کی تلاوت اشراق تک کرتے رہے جب تلاوت قرآن کی آواز کان میں آئی تو آپ نے ذکر جہر بھی موقوف فرمادیا اور خاموش ہوگئے۔ لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ روح مبارک نے انتقال فرمایا لیکن دیکھا تو نبض ٹھیک تھی۔

مولوی نور اللہ صاحب نے حضرت کے قریب آکر بلند آواز سے عرض کیا کہ آج جمعہ کا دن ہے غسل اور نماز کا ارادہ ہے یا نہیں حضرت نے کمال بشاشت سے آنکھ کھول کر فرمایا کہ مجھ کو اٹھاؤ اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے ارادہ بیٹھنے کا فرمایا اور ذرا سے سہارے سے اس آسانی سے اٹھ کر بیٹھ گئے گویا اسی وقت سوئے تھے۔ وضو کے لئے پانی مانگا لوگوں نے تیمّم کی مٹی پیش کی آپ نے اشارہ سے منع کیا اور پھر مانگا۔ جب طشت اور پانی لائے تو مسواک کی خواہش ظاہر فرمائی۔ چنانچہ مولوی نور اللہ صاحب نے مسواک ہاتھ میں لی اور پوری ترتیب احتیاط سے وضو کرلیا اور آپ کے معمول کے مطابق دعائیں بہ آواز بلند پڑھتے رہے اور کلمہ شہادت خود حضرت نے اپنی زبان سے ادا فرمایا۔ جب وضو پوری ہو چکی تو حضرت پھر بستر پر لیٹے اور مستغرق ہوگئے۔ کسی نے قوالوں کو اشارہ کیا اور گھڑی دن چڑھے تک قوال حمد و ثنا اور نعت رسول گاتے رہے۔ اس کے بعد بہت سے قاری حضرات کے گرد اگرد کھڑے ہوگئے اور دوپہر تک تلاوت کرتے رہے بعد نماز جمعہ شاہ ہدایت احمد صاحب صاحبزادہ شیخ العام قدس سرہ، اور مولوی محمد احمد جانشین مولوی انوار الحق وغیرہ مشائخ کرام گرد اگرد حضرت مولاناؒ کے

بطور حلقہ کے بیٹھ گئے اور ذکر جہر شروع کیا۔

وفات: اس عرصہ میں جسم مبارک بھی سرد ہو گیا لیکن ذکر قلب اور نبض کی حرکت بدستور جاری رہی۔ اس حالت میں قبر کھودنے کا کام اور غسل کے لئے مکان کا انتظام شروع ہوا ہر شخص کے دل میں یہی خیال تھا کہ اب تک حضرت جمعہ کا انتظار کر رہے تھے اب جمعہ بھی ختم ہو رہا ہے اسی وقت حضرت مولاناؒ نے اپنی دونوں آنکھیں کھولیں اور جمائی لی۔ اور ایک شعلہ نور چہرہ مقدس پر اس طرح ظاہر ہوا کہ دیکھنے والوں کی نظر اس پر تاب نہ لا سکی اور اس کے بعد پھر آپ نے کچھ آنکھ کھولی اور اللہ کا لفظ زبان سے ادا کیا۔ نظم

ایں گفت وزگفت و گو خموشید — از شربتِ وصل جرعہ نوشید
نبض ازحدِ استقامت افتاد — طبع ازروش سلامت افتاد
ابرے ز زمیں سیاہ برخاست — کزسینۂ برق آہ برخاست
روزم بہ فراق برسر آمد — کیں روز بہ بخت من در آمد
در خاک نشاند روزگارم — افتاد خزاں بہ نو بہارم
تو بگزری و سرا گزاری — این است طریق دوست داری
ہر چند جہاں ہمہ خیال است — درخواب و خیال ما مثال است
خود گو بہ خیال چوں شکیبم — خودرا بہ خیال چوں فریبم
بے وصل تو زندگانیم چیست — صد خندۂ مرگ برچناں زیست
نقش غمِ تست درسرشتم — کزلک چہ کنند بہ سر نوشتم
آنراکہ شدایں فسانہ ورگوش — شد خواب زدیدہ اش فراموش

اے جانِ صد ہزار چوماہ وقفِ جانِ تو
ہر دم ہزار تحفہ ز ما بر روانِ تو

جنازہ: جمعہ کے دن چھٹی ذی قعدہ بارہ سو پینتالیس ہجری۔ (۶ ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ) مطابق ۱۸۲۹ء کہ ایک گھڑی دن باقی تھا روحِ مبارک نے عالمِ قدس کی راہ لی۔ اس وقت حاضرین کی بیتابی اور فریاد و فغان سے ایک عالم تہ و بالا ہوا۔ جسم مبارک کو مع بستر کے بہت عجلت کے ساتھ اُٹھا کر حجرۂ خاص میں لے گئے اور غسل و کفن دے کر جنازہ تیار کیا۔ اور یہ چاہا کہ مسجد کے اندر نماز پڑھ کر قبر شریف پر کہ صحن مسجد کے باہر احاطہ میں تیار کی تھی لے جائیں لیکن جنازہ خود بخود

لوگوں کے ہاتھ سے بلند ہو گیا اور پورب کی جانب کہ اس طرف تقریباً دس ہزار آدمیوں کا مجمع تھا اور وہ سب مشتاقِ زیارت اور قدمبوسی کے تھے چلنے لگا۔ ہر چند لوگوں نے مسجد کی طرف کھینچنا چاہا لیکن کسی کی طاقت نہ تھی کہ روک سکے اور اُس سمت سے لوٹا دے ایک لحہ میں جنازہ تمام احاطہ اور قبر کے گرد گھوم کر پھر مسجد کے اندر محراب کے سامنے پہنچ گیا۔ مولوی نور اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ یہ حرکت ہم سب جنازہ اُٹھانے والوں کے ارادہ اور خیال کے خلاف تھی لیکن نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس بڑے مجمع میں شاید ہی کوئی شخص ایسا باقی رہا ہو کہ جس کا ہاتھ جنازہ یا اُس کی چادر تک نہ پہنچا ہو اور اس نے زیارت نہ کی ہو۔

نماز جنازہ: نماز جنازہ کے بعد جسد مبارک کو مرقد و آرام گاہ کے سپرد کیا گیا اور علاوہ ان لوگوں کے جو جماعت میں شریک تھے ہزار آدمیوں نے جو گلی کوچوں میں کھڑے تھے نماز کی اطلاع پا کر اپنی اپنی جگہ نماز پڑھی چنانچہ سر حلقہ صوفیانِ کرام حافظ سید محمد علی صاحب نے جو اس احاطہ تک بہ وجہ انبوہِ کثیر کے پہنچ نہ سکے، حضرت مخدوم شاہ مینا صاحبؒ کی مسجد میں بڑی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ اکثر آدمی دفن کے بعد اگلے روز تک مزار شریف پر حاضر ہو کر نماز پڑھتے رہے۔ سولہ ختم کلام اللہ اور تین لاکھ درود اور سولہ ہزار کلمہ طیبہ اور صدہا ختم دلائل الخیرات کا ایصالِ ثواب عین دفن کے وقت ہوا۔ اور تقریباً پانچ سو اشخاص نے صلوٰۃ الہول پڑھی جس کا ثواب روح پُر فتوح کو بخشا اگرچہ مرض الموت سے لے کر تجہیز و تکفین تک کھلی کرامتیں اور خرق عادات ہر خاص و عام پر ظاہر ہوتی رہیں لیکن نہ وہ شمار میں آسکتی ہیں اور نہ اُن کا اظہار مقصود ہے اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی کے دل میں لغزش پیدا ہو جائے یا سوء ظن کے باعث گنہگار ہو۔ دفن کے بعد وہ قطعہ زمین جس پر وحشت و نکبت اور ویرانی برستی تھی اب مطلع اشراق غیبی اور مطرح انوار لاریبی ہو گیا۔ اس قدر پُر فزا، مسرت بخش، مبارک، و نورانی معلوم ہوتا تھا کہ دن رات زائرین کا ہجوم مرقد مبارک پر ہونے لگا۔ اور خلائق اہلِ حاجات حاضر ہو کر آستانہ پر رجوع کرتے اور کامیاب مقاصد ہوتے۔ تمام رات قندیلوں اور شمع کی روشنی رہتی اور تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل و ذکر جاری رہتا۔

فاتحہ سوم: اتوار کے دن سوم کی تقریب ہوئی اور اتنا بڑا اجتماع ہوا کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ خلاصہ یہ کہ ۲۳۴ دو سو چونتیس ختم کلام اللہ شریف کے اور صدہا ختم دلائل الخیرات کے اور قریب پچاس لاکھ کلمہ طیبہ کے اور لاکھوں درود فاتحہ اس وقت لوگوں نے

پڑھے اور اپنی طرف سے لکھائے اور اکثر کو لکھوانے کی نوبت نہیں آئی شہر کے تمام مشائخ تشریف لائے تھے۔

میاں فتح علی شاہ صاحب کو حضرت مولانا کا جبہ و عمامہ اور دستار تبرک درگاہ عالم پناہ مخدوم حضرت احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ کو وہاں کے صاحبزادہ شاہ ہدایت احمد صاحب لائے تھے پہنائی گئی اور آپ حضرت مولانا کے سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت مولاناؒ کے مریدین و متوسلین نے نذریں پیش کیں اور مبارکباد عرض کی۔ اس کے بعد قوالوں نے اپنی نغمہ سرائی سے محفل میں حشر عظیم برپا کیا۔ اس کے بعد سادات پنجاب اور دوسرے محتاجوں کو جو کچھ ان کی تقدیر و قسمت میں تھا تقسیم کیا گیا۔ رات کو داروغہ محمد نذر علی خاں بہادر کی طرف سے ہر قسم کا کھانا تمام رات بلکہ اگلے دن دوپہر تک تقسیم ہوتا رہا اور تمام رات قوالوں نے نغمہ سرائی جاری رکھی اور محفل جمع رہی۔

تیاری مرقد مبارک: سوم کی فاتحہ کے بعد مرقد منورہ کی تیاری شروع ہوئی اور وہ اس طرح کہ مسلمان معمار مزدور نماز گزار فراہم کیے اور انھوں نے غسل و وضو سے طہارت کاملہ کی اور اینٹوں کو درست کرتے وقت کلمۂ طیبہ پڑھتے رہے اور مریدین باوضو گرد قبر شریف کے بیٹھ کر اور ہر اینٹ پر ایک بار درود شریف اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر معماروں کو دیتے تھے اور معمار بسم اللہ درود شریف پڑھ کر اس چونے میں ملا کر جس کو گلاب اور کیوڑہ سے بسایا گیا تھا اینٹ پر اینٹ لگاتے تھے اور مزدوروں کو جو اس کام میں شریک تھے تاکید تھی کہ سوائے درود اور کلمہ کے کوئی لفظ اپنی زبان سے نہ نکالیں۔ مخالفین اور غیر مذہب کے لوگ آتے تھے اور یہ تماشہ دیکھتے تھے کہ ایک درویش مسکین غریب الوطن اور بیکس جس کا کوئی عزیز و قریب یگانہ و آشنا یہاں نہیں تھا اور جس کے پاس دولتِ دنیا سے کبھی ایک حبہ بھی نہ ہوا اور جس نے تمام عمر سوائے خدا کے کبھی کسی سے کوئی چیز نہ طلب کی اس کے لئے غیب سے کیسا اہتمام و احتشام عزت افزائی اور سرفرازی کا ہو رہا ہے۔ وَمَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔

مولوی نوراللہ صاحب نے آیت شریفہ افوض امری الی اللہ سے تاریخ وصال نکالی۔

۱۲۴۵ھ

۱۸۲۹ء

ضمیمہ

تذکرہ

سجادگان و خلفاء

درگاہ شاہ عبدالرحمٰن صاحبؒ موحد لکھنوی

خلفائے کرام

حلقہ ارادت و عقیدت: حضرت مولاناؒ کی ذات گرامی جوہر قابل کے لئے خاص کشش اور جاذبیت رکھتی تھی۔ ابتدائے طالب علمی سے آخر وقت تک یہ حال رہا کہ جو شخص ایک مرتبہ آپ تک پہنچ گیا پھر آپ کا ساتھ چھوڑنے پر بخوشی آمادہ نہ ہوتا تھا اور جس کسی نے آپ سے کچھ پالیا پھر وہ ساری عمر طلب و شوق کی لذت میں آپ ہی کے دامن سے وابستہ رہنا چاہتا تھا۔

امان اللہ جودھپور سے حضرت کے ساتھ ہوئے اور خدمت میں رہے۔ ایک خاموش، مسکین اور بظاہر گمنام شخص تھے۔ آخر میں بنارس چلے گئے اور وہاں ٹھٹھیرے بازار کی کوئلہ والی مسجد میں دو ٹاٹ کے ٹکڑے لے کر دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اور آخر وقت تک نہ کسی سے ملے اور نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیا لیکن بنارس کے غریب اور ضرورت مند لوگوں کو اس فقیر بے نوا کے در سے روٹی بھیلی اور نقد ملتا تھا اور وصال کے وقت آپ کے ترک و تجرد اور توکل کا وہ شہرہ تھا کہ تمام عدالتیں کچہریاں اور سرکاری دفاتر میں تعطیل ہوئی اور سارا شہر جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہو گیا۔

حاجی غلام محمد حضرت مولانا کے دوسرے خادم تھے جو حیدر آباد دکن سے آپ کے رفیق ہوئے اور سفر حج میں اور اس کے بعد بھی آخر عمر تک آپ کی خدمت کرتے رہے حضرت مولاناؒ کے وصال کے بعد آپ کی عمر تقریباً سو سال کی تھی لیکن ہر مہینہ اپنے وطن اورنگ آباد سے جو لکھنو کے قریب واقع ہے پیدل چل کر لکھنو حاضر ہوتے رہے۔

مولانا کے خلفاء میں اکثر جلیل القدر صاحبانِ رشد و ہدایت گزرے ہیں جن کی خانقاہیں آج تک مرجع خلائق ہیں۔

مولانا سید امیر علی شہیدؒ قصبہ امیٹھی کے رہنے والے اور ملا جیونؒ کی اولاد سے تھے۔ آپ کا واقعہ شہادت جو اجودھیا (اودھ) میں پیش آیا اس دور میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حادثہ ۲۶ ر صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۵ء کا ہے لیکن آپ نے ایک رباعی میں اپنی شہادت کی خبر پہلے ہی دیدی تھی اور وہ یہ ہے۔

مے مہر علی در جوش دارم — بہ ذکرِ حق سراپا گوش دارم
شنو تاریخ من قبل شہادت — سرِ میداں کفن بردوش دارم

مرزا خدا بخشؒ حضرت مولاناؒ کے جلیل القدر خلفاء میں دوسرے بزرگ ہیں جن کی ریاضت اور مجاہدات کا تذکرہ بزرگاں سلف کی یاد دلاتا ہے اور جن کے فیضان کا چشمہ آج بھی جاری ہے۔ حضرت مولاناؒ کے حکم کی بنا پر آپ مہونہ تشریف لے گئے۔ مولاناؒ نے فرمایا تھا کہ تم مہونہ کی میخ بن جاؤ اور وہاں اگر املی کے پتہ کے علاوہ کچھ اور میسر نہ آئے تب بھی وہیں رہو۔ مرزا خدا بخشؒ نے ایسا ہی کیا اور آخر میں نہ صرف مہونہ بلکہ قرب و جوار کا علاقہ آپ کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ آپ کے مخصوص مریدوں میں منشی دیپ چند۔ رادھے لال۔ مانا دین۔ جینتی پرشاد۔ لال بہادر معزز اہلِ ہنود تھے۔ اور اُن کا یہ مرتبہ تھا کہ منشی دیپ چند کو آپ نے اپنا جانشین قرار دیا۔ اور اُن کا نام شاہ محمد بخش رکھا۔

حضرت محمد قاسم ابن شیخ عبد الشکور متوطن دیپال پور اولاد امجاد حضرت شیخ فرید گنج شکر قدس سرہ سے تھے۔ حضرت مولاناؒ سے لکھنو میں شرف بیعت حاصل کیا اور ایک سال تک حاضر خدمت رہ کر واپس وطن تشریف لے گئے۔ دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی۔ آخر عمر میں مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ اور باب جبریل میں مقیم رہے۔ مکہ کے مفتی اعظم محمد یٰسین اور دوسرے علماء و عمایدآپ کے معتقد اور مرید ہوگئے اور یہ بات عام طور سے مشہور ہو گئی کہ شاہ محمد قاسم پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص کرم ہے اور وہ جس کو چاہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیتے ہیں۔

حضرت شاہ حسین بخشؒ کا وطن فرخ آباد تھا اور آپ حضرت مولاناؒ کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ مزار پر انوار شہر فرخ آباد میں زیارت گاہِ عام ہے۔ آپ کے مرید اور خلفا میں بڑے مرتبہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے جانشین حضرت شاہ طالب حسین صاحب نے اپنے مذہب اپنے گھر اور آبائی جائداد کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور آپ کی توجہ سے

وہ مرتبہ پایا کہ خود رہنما بن گئے۔

ایک دوسرے بزرگ شیخ عبدالحمیدؒ ہیں جن کا اصلی نام محمد نجف علی خاں تھا اور متوطن موَشمس آباد ضلع فرخ آباد۔ خود سپاہی اور سپاہی زادہ تھے۔ فوج کی ملازمت کے زمانے میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اس کے بعد سے راہ حق میں جو مجاہدات آپ نے کئے اُن کا ذکر تفصیل سے تاریخ اہل اللہ میں درج ہے۔ مثلاً آپ اپنے پیرومرشد کے لئے نول گنج سے جو لکھنو سے تقریباً نو کوس کے فاصلہ پر ہے روزانہ پیلو کے درخت کی سبز مسواک لاکر پیش کرتے تھے اور دو سال تک بلا ناغہ لاتے رہے۔ مدتوں کی ریاضت اور مجاہدات کے بعد حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ "اب تو پٹھان نہیں رہا اور آج سے تیرا نام شیخ عبدالحمید ہے" آپ کا مزار مبارک قائم گنج محلّہ کلاں خیل میں ہے اور آپ کے فیضِ باطنی کا اثر اُس نواح میں آج تک پایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں ایسے بزرگ بھی شامل تھے جن کے علم و فضل اور نسبت باطنی کا عام شہرہ تھا۔ مثلاً

(۱) مولوی نور الحق خلف الصدق مولوی انوار الحق ابن مولوی عبد الحق خلیفہ بلاواسطہ حضرت سید شاہ عبد الرزاق قدس سرت اسرار ہم علمائے فرنگی محل میں ممتاز اور اپنے وقت کے اکابر مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔

(۲) مولوی محمد نور اللہ جن کی کتاب انوار الرحمٰن اور نور مطلق شرح کلمتہ الحق وغیرہ مشہور تصنیفات ہیں۔

(۳) مولوی سید حاجی یوسف علی جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے اطرافِ ہندوستان، حیدر آباد اور حجاز میں مشہور ہوئے اور جن کے کمالات باطنی اور علمی نے مکہ معظّمہ میں بڑی شہرت پائی۔

(۴) مولوی غلام محمد متخلص بہ فائق جو روساء امیٹھی کے مشہور خاندان کے ایک بزرگ تھے۔ آپ کا خاندان علم و فضل میں ممتاز اور آپ خود بے مثل شاعر، انشاپرداز اور اہلِ قلم تھے۔

(۵) شاہ غلام محمد صاحب والد ماجد منشی غلام امام شہید جن کا خاندان اور اس کی شہرت علم و فضل اور وجاہت ظاہری محتاجِ بیان نہیں۔

(۶) شاہ اہل اللہ صاحب گنج مراد آبادی جو حضرت مولاناؒ کے مرید تھے اور جنھوں نے آخر

عمر میں حضرت مولاناؒ سے اولاد کی تمنا ظاہر کی اور حضور نے اُن کو بشارت دی کہ لڑکا پیدا ہوگا اور تم اُس کا نام میرے نام پر فضل رحمٰن رکھنا چنانچہ مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا وجود ظہور میں آیا۔

حضرت مولاناؒ کے حلقۂ ارادت میں ایسے مرید بھی ہیں جو اگرچہ مرتبہ عشق و فنا میں کسی سے کم نہیں لیکن بظاہر کاروبار دنیا اور حصولِ جاہ ثروت میں مصروف رہے اور اپنے زمانہ کے بااقتدار اور ذی مرتبت امراء میں شمار ہوتے تھے جن کا رسوخ سلطنتِ اودھ اور اس کے توابع میں غیر معمولی تھا۔ ان میں شیخ حمایت اللہ خاں کشمیری قابلِ ذکر ہیں۔ آپ محمد کاظم علی خاں شاہی خانساماں کے نواسہ تھے۔ ابتدائے عمر میں حضرت مولاناؒ کے مرید ہوئے اور روز بروز اپنے پیر مرشد سے محبت و عقیدت میں ترقی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب حضرت مولاناؒ سخت بیمار ہوئے اور حالت مایوسی کی ہوگئی تو شیخ حمایت اللہ کا اضطراب حد سے متجاوز ہوگیا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اُن کے ہی اصرار پر انوار الرحمٰن لکھی گئی اور جب مولوی نور اللہ صاحب کی کتاب نور مطلق تکمیل کو پہنچی تو شیخ حمایت اللہ خاں نے یہ غزل لکھ کر قوالوں کو دی۔

مطربا ابرار مارا بازگو　　قصہ ہائے جانفزارا باز گو
کلمۂ الحق راکہ رحمان گفتہ است　　نورِ مطلق شرح آنرا باز گو
مستجاب آمد دعائے عاشقاں　　اے دعا گو ایں دعا را باز گو

اسی مرتبہ کے محمد نذر علی خاں بہادر تھے۔ آپ کے والد محمد رمضان علی نواب سعادت علی خاں کے پرانے رفیق اور زمانۂ صاحبزادگی سے نواب کے ساتھ تھے جب لکھنو آکر وہ بااختیار ہوئے تو رمضان علی نے اُن کے دامنِ دولت میں بڑی ترقی کی۔ اُن کے صاحبزادے نذر علی خاں بھی اسی وقت سے دربار میں پہنچے اور ملازم ہوگئے۔ اہل دربار میں نواب معتمد الدولہ بہادر پہلے سے حضرت مولاناؒ کے معتقد تھے اُن کے توسل سے نذر علی خاں بہادر بھی حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی اور اُس وقت سے برابر حضرت مولاناؒ کا کرم اُن پر رہا۔ حضرت مولاناؒ کے زمانۂ علالت میں نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ نے جو دم بھر کے لئے نذر علی خاں کو اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیتے تھے اُن کی عدم موجودگی محسوس کر کے طلب کیا۔ تو صاف انکار کر دیا کہ میں حاضر نہیں ہو سکتا، علو ہمت اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ دربار میں کبھی خوشامد نہیں کی اور نہ کسی کے دروازہ پر گئے۔ اسی طرح

غیر واجب آمدنی اور انعام واکرام سے ہمیشہ اپنے دامن کو بچائے رکھا حضرت مولاناؒ کے آخروقت جب یہ تشویش تھی کہ احاطہ کے مکانات کو گرا کر مدفن کے لئے کھلا میدان بنایا جائے اور متعدد کنوئیں جو ان مکانات میں تھے وہ بند کرا کر زمین ہموار کر دی جائے تو نذر علی خاں بہادر نے خود اپنے ہاتھ سے اور اپنے آدمیوں کی مدد سے یہ کام شروع کیا اور چند گھنٹوں میں ہفتوں کا کام پورا کر کے زمین کو گلزار بنا دیا۔ نواب معتمد الدولہ نے حضرت مولاناؒ کے تجہیز و تکفین کا سامان اور روپیہ بھیجا تو نذر علی خاں بہادر زار زار رونے لگے اور حضرت خلیفہ فتح علی شاہ صاحب سے عرض کیا کہ میرا نام غلاموں کی فہرست سے نکال دیجئے ورنہ یہ خدمت مجھے کرنے دیجئے پھر نہایت اولوالعزمی سے انھوں نے تمام مراسم تعزیت ادا کئے۔

لالہ مکھن لال حضرت مولاناؒ کے خاص مریدوں میں تھے ان کا خاندان نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانہ سے شاہانِ اودھ کے دربار میں رسوخ رکھتا تھا اُن کے دو صاحبزادے منشی رام دیال اور بشن لال تھے۔ جن کا شمار عمائدین شہر میں ہوتا تھا۔ رام دیال کو حضرت مولاناؒ نے منشی کا خطاب بچپن ہی میں دیا تھا اور وہ ساری عمر اسی خطاب سے یاد کئے جاتے تھے اور ہمیشہ بڑے عہدوں پر ممتاز رہے۔ شاعر بھی تھے اور حضرت مولانا نے ان کو ترقی علم کی دعا بھی دی تھی اُن کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

بگزار کہ بر رنگِ حنا پائے تو بوسم — خوں گریم واز چشم قد مہائے تو بوسم
نرگس بہ گل روئے تو نظارہ اگر کرد — چشمش بخیابانِ تماشائے تو بوسم
تازندہ شوم ازلبِ جاں بخش تو بارے — صد بار دِگر میرم و لیہائے تو بوسم
سروِ لبِ جو بنیم و پایش ز سر شوق — ور بادِ خرامِ قدِ رعنائے تو بوسم

دم نہیں جس دم سے وہ ہمدم نہیں — دردِ ہجراں مرگ سے کچھ کم نہیں
قطرۂ اشک اپنی چشمِ زار کے — گوہرِ غلطاں ہے یہ شبنم نہیں

اس سلسلہ میں حسین علی خاں بہادر جو یا تھے۔ صفدر جنگ نے جب اودھ کا نظم و نسق سنبھالا تو حسین علی خاں کے بزرگ نواب مکارم خاں اور نواب شمشیر خاں اُن کے ساتھ تھے اور اُن کو خالص پور بختیار نگر اور غوث گنج کا جاگیر دار بنایا گیا۔ نواب شجاع الدولہ کے زمانہ تک اس خاندان کا عروج رہا۔ اس کے بعد اقبال نے ساتھ چھوڑا اور زمانے نے کروٹ لی حسین علی

خاں بہادر سات برس کے تھے کہ والد کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ عنفوانِ شباب میں لکھنو سیر و تفریح کو آیا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بھی پہنچ گئے۔ اسی وقت سے حالت بدل گئی اور کچھ عرصہ بعد مرید ہوئے تو دنیا سے دل بالکل سیر ہو گیا۔ عبادت و ریاضت کی طرف مائل ہو گئے۔ ان کی والدہ نے مولانا کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ حضور میرا ایک ہی لڑکا ہے۔ میری درخواست ہے اس کو دنیا کمانے کے راستہ پر لگایئے۔ اس پر حضرت مولاناؒ نے حسین علی خاں کو بلایا اور کہا کہ تمہاری والدہ یہ کہتی ہیں اور تم کو یہی کرنا چاہیئے۔ انھوں نے ہر چند عذر کیا کہ میں نہ پڑھا نہ لکھا نہ کوئی ہنر آتا ہے اور نہ کسی کام کا تجربہ پھر دنیا میں مجھے کون پوچھے گا۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ جو اس حال میں تمہاری خبر گیری کرتا تھا وہی دنیا میں بھی کرے گا۔ اور ایک نوالہ روٹی کا اُن کو دیا کہ کھالو حسین علی خاں کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میری حالت بدل گئی اور دنیا کے کاموں پر متوجہ ہو گیا۔ فوج کی نوکری سے شروع کر کے مختلف کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ خیر آباد کا چکلہ دار ہوا اور ہر دشوار مرحلہ اور ہر زمانہ میں حضرت مولاناؒ کے کرم سے مستفیض ہوتا رہا۔

حسین علی خاں بہادر جویاؔ تخلص کرتے تھے اور باوجود اس کے کہ تکمیلِ تعلیم کی نوبت نہیں آئی تھی، ذہن رسا، فکر بلند اور تحریر و تقریر میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:۔

اب فیض پہ ہے ساقیٔ گلفام ہمارا — کر سکتی ہے کیا گردشِ ایام ہمارا
بے ہوش کیا شربتِ دیدار پلا کر — بہتر ہوا آغاز سے انجام ہمارا
بھیجا بھی جو اُن کو، تو ہوا محو وہ ایسا — قاصد کو رہا یاد نہ پیغام ہمارا

اے بتو، مظہر خدا ہیں ہم — کفر و اسلام سے جدا ہیں ہم
درِ دلدار تک رسائی کی — دیکھئے ایسے نارسا ہیں ہم

منع کیوں کرتے ہو یارو آہ و زاری سے مجھے
مجھ سے کس دن خوش تھے وہ جو اب خفا ہو جائیں گے
ہے رجوعِ مرکزِ اصلی جسے کہتے ہیں مرگ
آب و آتش خاک جویاؔ سب ہوا ہو جائیں گے

اِن کے علاوہ حضرت مولاناؒ کے مریدین میں میاں اسد اللہ بھی تھے جن کی خدمت ایسی مقبول تھی کہ دوسرے خدام اُن پر رشک کرتے تھے' شروع جوانی میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مثنوی شریف کا درس شروع کیا جو بعد نماز اشراق ہوتا تھا درس کے بعد رخصت ہو کر اپنے کام پر جاتے تھے اور بعد نماز عشا پھر حاضر ہو کر خدمت پاچپی میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا آرام فرماتے۔ مدت العمر یہی معمول رہا اور ایک روز بھی میاں اسد اللہ نے ناغہ نہیں کیا۔ حضرت مولانا بھی اُن کی آمد کے منتظر رہتے تھے

زہے سعادتِ آں کس کہ شہ کند یا دش

فقر و درویشی کا جو مسلک حضرت مولانا کے مریدین و خلفا کا تھا اور جس قدر وسیع سلسلہ رشد و ہدایت کا ان بزرگوں کے فیض و اثر سے جاری رہا اس کی تفصیل کے لئے ایک جداگانہ تصنیف درکار ہے۔ ان اوراق میں گنجائش کہاں کہ سب کا ذکر کیا جائے۔ مریدین و خلفاء کے مفصل حالات کے لئے کتاب انوار الرحمٰن کا مطالعہ ضروری ہے اور یہ مضمون' بغیر اُس تفصیل کے جو انوار الرحمٰن میں درج ہے' پورا بھی نہیں ہو سکتا اور نہ اس مختصر احوال سے اہلِ ذوق کی تسکین ہو سکتی ہے۔

مولوی نورالحق صاحب رحمتہ اللہ علیہ

مولوی نورالحق صاحب خلف الصدق مولوی انوارالحق ابن مولوی عبدالحق خلیفہ بلاواسطہ قطب آفاق سید شاہ عبدالرزاق قدست اسرارہم۔ آپ مولانا عبدالعلی صاحب خلف ملا نظام الدین صاحب قدست سرّہما کے شاگرد تھے آپ نے بعد تحصیلِ علم لکھنو میں سلسلۂ درس جاری فرمایا۔ آپ کے والد ماجد مولوی انوارالحق صاحب نے عقیدہ وحدتِ وجود کی تعلیم دی، لیکن مولوی نورالحق صاحب کو اطمینان کلی نہیں ہوا۔ اس لئے انھوں نے مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کی طرف متوجہ کیا۔ تب مولوی نورالحق صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کو حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بھیجا اور چاہا کہ ان سے دریافت کرلیں کہ چونکہ وہ پہلے اپنے والد کے مرید ہو چکے تھے اب حضرت مولاناؒ اُن کو بیعت کرنا منظور کریں گے یا نہیں۔ مولوی یعقوب صاحب نے عرض کیا کہ ممکن ہے کہ مولانا کسر نفسی سے عذر کریں لیکن اگر آپ خود تشریف لے چلیں تو غالباً عذر نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے مولوی محمد یعقوب صاحب بھی ہمراہ تھے اور بعد نماز ظہر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست بیعت کی۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ آپ بزرگ اور بزرگ زادہ ہیں اور اپنے والد سے مستفید ہو چکے ہیں اس کے بعد کیا ضرورت ہے۔ مگر مولوی نورالحق صاحب نے اصرار کیا اس پر حضرت مولانا نے ہاتھ بڑھایا اور مرید کرلیا۔ اُس وقت حمایت اللہ خاں حاضر ہوئے حضرت مولاناؒ نے اُن سے فرمایا کہ ہم نے مولوی نورالحق صاحب کو اجازت و خلافت تمام سلسلوں میں دیدی ہے۔ آپ کو سب خاندانوں کے شجرے دیدو۔

خلیفہ قاضی عبدالکریم صاحب

قاضی عبدالکریم صاحب رائے بریلی کے رئیس تھے اور آپ کا ننہال قصبہ نگرام میں تھا۔

ابتداء میں مولوی عبدالکریم خلیفہ شاہ جمال چوراسی سے نقشبندیہ خاندان میں بیعت کی تھی۔ جب حضرت مولاناؒ سے مسجد شاہ میناصاحب قدس سرہٗ میں ملاقات ہوئی تو آپ کو حضرت مولاناؒ سے عقیدت پیدا ہوئی۔ چنانچہ اکثر لکھنو آتے اور حضرت مولاناؒ سے ان کے مصنفہ رسائل کی نقل حاصل کرتے اور مسئلہ وحدتِ وجود میں تحقیق کرتے رہے۔

ایک روز حضرت مولاناؒ سے سُنا کہ مسئلہ وحدتِ وجود میں حضرات نقشبندیہ اور چشتیہ و قادریہ میں اختلاف نہیں ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ نقشبندیہ وحدت کو بطور شہود بیان کرتے ہیں اور دوسرے حضرات عینیت وجود کے قائل ہیں آپ نے لکھنو سے دہلی کا سفر اختیار کیا اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حضرت مولاناؒ کے عقیدہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا اور میرے پیروں کا عقیدہ بھی وحدتِ وجود ہے لیکن دشوار مسئلہ ہے عام لوگوں پر اس کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے۔

مولانا شاہ عبدالرحمٰنؒ مغلوب الحال ہیں وہ اگر اظہار کریں تو اُس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس مضمون کی تحقیق کے بعد قاضی صاحب وہاں سے مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسرے سلسلوں کی بھی اجازت و خلافت حاصل کی اور صدہا آدمی آپ کی صحبت کی برکت سے صاحبِ باطن ہوئے۔

خلیفہ مولوی ابو لحسن صاحب ردَولوی

مولوی ابو لحسن صاحب حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اولاد میں ہیں اُن کے دادا مخدوم شیخ صفی قدس سرہ تھے۔ آپ کے خاندان میں دولت علم ظاہر و باطن کی تھی۔ آپ کے چار بھائی تھے وہ سب حضرت مولاناؒ کے مرید تھے۔ مولوی ابوالحسن صاحب پر کیفیت جذب کی پیدا ہو گئی تھی بار بار ردولی جاتے تھے اور پھر واپس آجاتے تھے جب سکون ہوتا تو نماز روزے پر متوجہ ہوتے اور سب لوگوں کو تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کی حیات میں چھ برس تک سالک رہے لیکن جب مولاناؒ کا وصال ہوا ہے تو آپ ردولی میں جذب کی حالت میں تھے۔ چنانچہ جمعہ کے دن عصر کے وقت حضرت شیخ العالم قدس سرہ کی مسجد میں خبر دی کہ آج مولاناؒ کا وصال ہو گیا۔ تیسرے دن لکھنو کے خط سے معلوم ہوا کہ جس وقت آپ نے اطلاع دی تھی وہی دفن کا وقت تھا۔

حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ابوالحسن غرقانی یہ ہی ہیں۔ لیکن حضرت مولاناؒ کے وصال کے بعد پھر کبھی اُن کو سلوک نصیب نہیں ہوا اور ہمیشہ حالتِ جذب میں رہے۔ اپنی والدہ صاحبہ کے انتقال کے بعد ردولی شریف سے غائب ہوگئے اور پھر کبھی نظر نہ آئے۔

خلیفہ شیخ امام بخش صاحب صفی پوری

آپ حضرت مولانا قدس سرہ کے خاص مریدوں میں سے تھے حضرت کی اجازت و خلافت کے بعد آپ کا سلسلہ ارشار جاری ہوا۔ شہاب پور اور اُس کے گرد و نواح میں صدہا مرید آپ کے ہوگئے۔ آپ کی کیفیت یہ تھی کہ جس کو سامنے بٹھا کر توجہ دی اس پر وجد و طرب طاری ہو جاتا تھا اور خود بھی ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ آپ کو اعمال پر بھی توجہ تھی اور مخلوق امراض اور آسیب کے علاج کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتی تھی۔ کریم داد خاں آپ کے مرید کا بیان ہے کہ میں نواب سعادت علی خاں کے عہد میں سرکاری ملازم تھا۔ نواب گنج میں میری تعیناتی تھی۔ موضع شہاب پور وغیرہ میری تحصیل میں تھے اس ضرورت سے شہاب پور جانا ہوتا تھا۔ شاہ امام بخش صاحبؒ سے وہاں ملاقات ہوئی اور اُن کی صحبت کا اثر میں نے دیکھا اور آپ کے اعمال کی تاثیر اور دست غیب کی شان بھی اپنی آنکھ سے دیکھی۔

مولوی محمد نور اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ

مولوی محمد نور اللہ صاحب کا وطن بچھراؤں ضلع مراد آباد ہے۔ تحصیل علم رامپور میں افضل العلماء مفتی شرف الدین سے اور کاندھلہ میں مفتی الٰہی بخش صاحب سے اور لکھنو میں مرزا حسن علی صاحب ہاشمی محدث سے کی۔ پینتالیس برس اکتساب جاہ و مال و تحصیل علوم میں مصروف رہے۔ سرکار انگریزی میں مختلف عہدوں پر اور پھر نو برس کامل لکھنو میں غازی الدین حیدر شاہِ اودھ کے زمانۂ سلطنت میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز و سرفراز رہے۔

آپ کی تصنیفات میں بعض رسالے درسی بھی ہیں، مثلاً محمود الصرف، اخلاق ناظمی، ہدایت المعلمین۔ مؤخر الذکر رسالہ اردو زبان میں استادوں کی رہنمائی کے لئے فن تعلیم میں پہلی تصنیف ہے۔ آپ کی تصانیف میں نغمہ عشاق، جواز سماع میں نور مطلق، شرح کلمتہ الحق، مسئلہ وحدت وجود میں اور ہدایت الوہابین اختلافی مسائل میں معرکتہ الآرا تصنیفات ہیں، لیکن اس موقع پر خصوصیت سے ذکر کے قابل آپ کی مشہور و معروف کتاب انوار الرحمٰن

لتنویر الجنان ملفوظات مولانا شاہ عبدالرحمٰن قدس سرہ ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل تصنیف اس صنف میں پیش کرنا غالباً دشوار ہوگا۔ کتاب نغمۂ عشاق محمد اکبر بادشاہ غازی کے دربار دہلی میں پیش ہوئی اور جب علماء دہلی نے اس کو قبول و پسند کیا تو بادشاہ نے مولوی صاحب کے نام فرمان جاری کیا اور اُن کو زبدۃ الموحدین، مشیر الدولہ، محسن الملک مفتی محمد نوراللہ خاں بہادر مناظرِ جنگ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

مولوی نوراللہ صاحب کو نسبتِ عشقیہ اور طلب صادق ورثہ میں ملی تھی اور باوجود حصول جاہ و مرتبت و تعلق ملازمت و ذوق تصنیف و علوم ظاہری آپ کے کمالات باطنی کی ترقی بھی سنِ شعور سے ہوتی رہی۔ حضرت مخدوم دائم الحضور بندگی شیخ عبدالغفور اعظم پوری آٹھویں پشت میں آپ کے اجداد میں تھے جو حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں۔ نانہال آپ کا اولاد امجاد حضرت شیخ المشائخ والاولیاء بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ العزیز میں تھا اور آپ کے نانا پیر جی مقبول عالم صاحب حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ مولوی نوراللہ صاحب نے اول بیعت مولانا شاہ نورالہدیٰ صاحب قدس سرہ العزیز سے منگلور میں کی تھی۔ یاد رہے کہ حضرت مولانا صاحب قدس سرہ نے بھی شاہ نورالہدیٰ صاحب سے اکتساب فیض کیا ہے۔ اس کے بعد ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ء میں جبکہ مولوی نوراللہ صاحب لکھنو میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چند سال بعد وطن کو واپس ہوئے لیکن ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں پھر لکھنو آئے اور حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں شب و روز رہنے لگے اور تکمیل کمالات باطنی میں ہمہ تن مصروف رہے اور شرف بیعت، اجازت و خلافت سے سرفراز رہے۔ اور آخر عمر تک آستانِ رحمانی سے وابستہ رہے۔ چنانچہ بعد وصال جو ۱۳ر رمضان المبارک ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء کو ہوا لکھنو میں تحت اقدام مرشدِ عالی مقام دفن ہوئے۔

مولوی نوراللہ صاحب کو اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا قدس سرہ کے مزاج میں جو رسوخ حاصل تھا اس کا ذکر انوار الرحمٰن میں جابجا نظر آتا ہے، مثنوی شریف اول سے آخر تک صرف ایک بار نہیں بلکہ متواتر حضور سے پڑھی اور دوسروں کی سماعت کی اور جو نکات و فوائد زبان فیض ترجمان سے سُنے اُن کو قلمبند کیا اور بطور حواشی اپنے نسخہ مثنوی شریف میں شامل کیا،

علاوہ اس کے اقتباس الانوار اور کشکول کو حرفاً حرفاً اور سبقاً حضرت مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو سنا کر ان کی جملہ اعمال کی اجازت اور سند حاصل کی چنانچہ آخر میں عبارت ذیل مرقوم ہے جو حضرت مولاناؒ کے قلم خاص کی تحریر ہے:۔

آنچہ دریں کتاب است واجازت آں از مولوی محمد عظیم قدس سرہ وایشاں را از حضرت مولوی فخر الدین قدس سرہ وایشاں رااز حضرت مولوی نظام الدین اورنگ آبادی وایشاں رااز حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی مصنف رسالہ ہذا حاصل شدہ است اذن آں ہمہ اذکار افکار و مراقبات علماً عملاً اجازت شاملہ کاملہ تامہ مولوی نوراللہ داد۔ فقیر عبدالرحمٰن اللھم ایدہ بروح القدس۔

کتاب اقتباس الانوار پر جو عبارت تحریر ہے وہ مولوی نوراللہ صاحب کے اپنے قلم کی ہے۔ دوسرے موقعہ پر حضرت مولانا صاحب نے جمیع سلاسل اور جمیع اوراد کی اجازت مولوی نوراللہ صاحب کو جن الفاظ کے ساتھ عنایت فرمائی ہے وہ قابلِ ذکر ہے اور یہاں نقل کی جاتی ہے:

اجازت داد ایں سلسلہ عالیہ فقیر عبدالرحمٰن مولوی محمد نوراللہ صاحب رامعہ عیال و اطفال ایشاں رااجازت عامہ تامہ شاملہ کاملہ۔

حضرت مولانا صاحب کے وصال کے بعد مولوی نوراللہ صاحب وطن واپس ہوئے اور آستانہ شریف ردولی اور پیران کلیر شریف پر اکتساب فیض کیا۔ ایک مرتبہ چھ مہینہ اور دوسری بار ایک سال کامل جاروب کشی آستانہ شریف پیران کلیر کی کرتے رہے' برابر صائم الدہر رہے اور ترک حیوانات کرکے بے نمک کھچڑی پر قناعت کی۔ اس زمانہ میں کلیر شریف میں مزار مبارک کے گرد بہت بڑا بن تھا۔ شیر اور درندے وہاں رہتے تھے۔ علی حسن خاں صاحب خالص پوری مولوی صاحب کے ساتھ تھے اُن کا بیان ہے کہ بعد نماز عشاء جب خانقاہ کا دروازہ بند کرنے کا وقت آیا تو مولوی صاحب صحن مسجد میں آئے وہاں ایک شیر بیٹھا تھا آپ نے خیال کیا کہ کسی کی رضائی یا کپڑا رہ گیا ہے اُس کو اُٹھانا چاہا تو شیر اُٹھ کھڑا ہوا اور خاموشی سے دروازہ کی جانب چلا' آپ اس کے ساتھ ساتھ باہر تک گئے۔

زمانۂ قیام لکھنو میں مولوی نوراللہ صاحب کا درس مثنوی شریف اور رسالہ کاسرۃ الاسنان وغیرہ برابر جاری رہا۔ مولوی شمس الدین صاحب' مولوی امیر علی صاحب شہید اور دیگر خلفاء نے آپ سے استفادہ کیا۔

ایک مدت تک مولوی نوراللہ صاحب دہلی اور کلکتہ کی آمد درفت فرماتے رہے ہیں ایک سفر بذریعہ کشتی بھی ہوا ہے اور آپ نے اس سفر میں زکوٰۃ قصیدہ بردہ شریف اور حزب البحر و دعائے حیدری وغیرہ ادعیات و اعمال کی متواتر ادا کی ہیں۔ چنانچہ ایک روز ان کے پوتے مولوی مظہر اللہ صاحب نے ایک عمل کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے جس قدر اعمال ہیں اس وقت ان کی عام اجازت دی جاتی ہے جس کو چاہو عمل میں لاؤ اور ان میں جن اعمال کی زکوٰۃ لکھی ہے ان کی زکوٰۃ دینے کی کچھ حاجت نہیں ہم تمہاری اور تمہارے والد کی طرف سے وکالتاً زکوٰۃ دے چکے ہیں۔

مولوی نوراللہ صاحب کے اکثر مرید ردولی' امروہہ اور دوسرے مقامات پر تھے لیکن ان کے علاوہ آپ کے احباب و معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا اور مشاہیر علما و اہلِ کمال سے خصوصی تعلقات تھے۔ مولوی صاحب نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں جو مدارج طے کئے اور جیسا مرتبہ پایا اس کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے کتاب انوار الرحمٰن کا مطالعہ ضروری ہے جس میں عملی مباحث کے علاوہ سلوک کے وہ نکات و رموز شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں جو طالب کے لئے دلیل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔

علاوہ بریں مولوی صاحب کے پوتے مولوی مظہر اللہ صاحب بھی جو خلیفہ مولوی شمس الدین صاحب کے مرید تھے اپنے دادا کی طرح آخر میں درگاہ شریف میں زیادہ قیام فرماتے تھے اور وہیں حضرت مولانا کے مزارِ مبارک کے پائیں میں دفن ہیں۔ مولوی مظہر اللہ صاحب کے بعد اُن کے پوتے مولوی فضل احمد رحمانی نے بھی درگاہ شریف میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔

مولوی حاجی سید یوسف علی رحمتہ اللہ علیہ

مولوی یوسف علی صاحب کے اجداد جالندھر سے آئے تھے آپ کی پیدائش لکھنو کی ہے بچپن سے ہی سعادت و نجابت کے آثار میں آپ ممتاز تھے' تحصیل علم کا شوق بڑھا ہوا تھا۔ مولوی رحمت بخش سے صرف و نحو پڑھی۔ مولوی قدرت علی صاحب شاگرد مولانا عبدالعلی صاحب قدس سرہ سے دوسرے علوم حاصل کئے اور حدیث مولوی مرزا حسن علی صاحب ہاشمی سے پڑھی۔ آغاز جوانی میں حضرت مولانا سے شرف بیعت حاصل کیا اور رسالہ کلمتہ الحق

وغیرہ پڑھے۔ آپ کے تبحر علمی اور زہد و توکل کا شہرہ تھا فکر معاش سے بالکل بے تعلق تھے اسی حال میں حج کا ارادہ کیا قرآن مجید اور ایک جوڑہ کپڑا لے کر روانہ ہوئے۔ اُن کے ماموں نے ایک اشرفی کرتہ میں سی دی تھی' راستہ میں وہ بھی چوری ہو گئی لیکن آپ پر اس کا مطلق اثر نہ ہوا جہاں جاتے تھے بہت عزت واحترام ہوتا تھا۔ حرمین شریفین میں مشہور ہو گیا کہ مولوی یوسف علی خلیفہ مولانا شاہ عبد الرحمٰن ہندوستان سے آئے ہیں' علماء کو مولانا کے عقیدہ کے متعلق شبہات تھے اُن کو رفع کرنے اور سمجھنے کے لئے مولوی صاحب کے پاس حاضر ہوتے تھے اس زمانہ کے اختلافی مسائل میں آپ نے ایک تصنیف فرمائی اور حضرت سید احمد صاحب غازی اور اُن کے ہمراہی علماء سے ایک معرکہ بھی حجاز میں پیش آیا۔ حجاز سے واپسی پر حیدر آباد آئے وہاں حافظ محرم علی صاحب خیر آبادی کی تحریک سے آپ کو مدرسہ کی خدمت کے لئے ہزار روپیہ ماہوار کی ملازمت پیش کی گئی آپ نے حضرت مولانا سے دریافت کیا۔ اور اُن کے اس ارشاد پر' کیوں اپنے آپ کو دلدل میں پھنساتے ہو' انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہاں کے وزراء اور عمائدین نے چاہا کہ آپ حیدر آباد میں بغیر پابندی ملازمت قیام فرمائیں اور بڑی بڑی رقمیں پیش کرنا چاہیں مگر آپ بغیر اطلاع وہاں سے روانہ ہو گئے اور اجمیر شریف پہنچے اور ایک سال قیام فرمایا۔ اس زمانہ میں قرآن مجید حفظ کیا اور ایک رسالہ در جواز تحیت و تعظیم تصنیف کیا جس کی تردید آج تک ہندوستان کے علما سے نہ ہو سکی۔ جب حضرت مولانا کو آپ کے اجمیر شریف پہنچنے کی اطلاع ملی تو آپ نے خط لکھ کر مولوی صاحب کو طلب فرمایا اور جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو اُن سے کہا کہ اب جب تک میری زندگی ہے تم بھی یہاں رہو اور کہیں نہ جاؤ۔ چنانچہ مولوی صاحب نے لکھنو میں قیام اختیار فرمایا۔ ایک مسجد میں قیام تھا اور درس و تدریس کا شغل رہتا تھا۔ حضرت مولانا نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ درس و تدریس کو ختم کر دیں۔ اور اُن کے پاس آجائیں لیکن مولوی صاحب اُس وقت تو آمادہ نہ ہوئے۔ مگر جب ایک سال بعد حضرت مولانا قدس سرہ کا وصال ہو گیا تو اُن پر حالتِ جذب طاری ہو گئی درس ختم کر دیا اور ہر وقت مزار شریف پر حاضر رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے انتقال فرمایا اور احاطۂ شریف میں جگہ پائی۔

خلیفہ مولوی عبد اللہ شاہ آبادی

مولوی عبد اللہ ابن محمد فرید الدین شاہ آباد (اودھ) کے رؤساء عظیم میں تھے آپ کے بھائی مولوی محمد صالح نواب سعادت علی خاں بہادر کے وقت سے محمد علی شاہ کے

زمانہ تک مہتمم کتب خانہ شاہی رہے۔ دونوں بھائی لکھنو میں رہتے تھے اور تکیہ شاہ عبدالجلیل میں مکان بنایا تھا۔ مولوی عبداللہ صاحب بیس سال کی عمر میں حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی وقت دل پر ایسا اثر ہوا کہ بیخودی کی کیفیت پیدا ہو گئی دوسری بار حاضر ہو کر بیعت کی اور خلیفہ ہوئے۔ اس کے بعد جمعہ اور سہ شنبہ کو محفلِ سماع میں شریک ہوتے رہے اور حضرت مولانا کے وصال کے بعد بھی اپنے معمولات اور حاضری میں فرق نہیں آنے دیا۔

حضرت مولوی امیر علی شاہ صاحب شہید

آپ امیٹھی کے رہنے والے اور ملا شیخ احمد عرف ملا جیون اُستاد شہنشاہ عالمگیر کے خاندان سے ہیں۔ مولوی امیر علی صاحب نے لکھنو میں تحصیل علم کی اور اٹھارہ برس کی عمر میں حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سات سال سے زیادہ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ درس مثنوی، رسالہ کلمتہ الحق، کتاب کہنہ مالا بدھ شیخ محی الدین ابن عربی اور مشکوٰۃ شریف حضرت مولاناؒ سے پڑھیں۔ اور کتاب نور مطلق سبقاً سبقاً مولوی نوراللہ صاحب سے پڑھی اور اجازت و خلافت حضرت مولانا قدس سرہ سے حاصل کی۔ ہزاروں آدمی آپ کے فیضِ صحبت سے ہدایت پاتے رہے۔ اور جب زیارت کعبہ کا شوق بڑھا تو بغیر سامان کے اُٹھ کر چل دیے۔ دو سال اور تین مہینہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں قیام کر کے واپس آئے۔ دوسری مرتبہ پھر اپنے وطن سے بہت بڑے قافلہ اور جم غفیر کے ساتھ روانہ ہوئے اس طرح کہ راستہ میں ہر قدم پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے۔ امیٹھی سے نول گنج چوبیس کوس ہے کئی مہینہ میں پہنچے تھے اس سفر میں ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے ان کا کھانا پینا اور ان کے اخراجات سب غیب سے پورے ہو جاتے تھے۔ حضرت مولاناؒ اشارہ سے سفر ملتوی کر کے وطن کو واپس ہو گئے اور دنیا کو بالکل چھوڑ دیا۔ بستی سے باہر جنگل میں ایک کچی مسجد میں قیام اختیار کیا اور سوائے توکل کے کسی سے کوئی کام نہ رکھا۔

۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں ہنومان گڑھی (اجودھیا) کے بیراگیوں اور مسلمانوں میں ایک مسجد پر جھگڑا ہوا بیراگیوں نے مسجد کو شہید کر دیا۔ مسلمانوں نے مزاحمت کی اس پر معرکہ ہو گیا اور سو سے زیادہ مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ مسلمانوں کو شکایت تھی کہ اس واقعہ کی پوری تحقیقات اور دادرسی نہیں ہوئی۔ مولوی امیر علی صاحب باوجود عزلت نشینی کے حمیتِ دینی سے بیتاب ہو کر باہر نکل آئے اور لکھنو پہنچ کر علماء سے مشورہ کیا اور جب بالاتفاق مقابلہ اور

جہاد کے لئے فیصلہ ہو گیا اور علماء نے فتویٰ دے دیا تو مولوی امیر علی شاہ صاحب امام مقرر کئے گئے آپ نے ایک جمعیت فراہم کی اور میدان کا رُخ کیا' لکھنو سے امیٹھی آئے اور وہاں سے تین سو مجاہدین کو ہمراہ لے کر اجودھیا کو روانہ ہوئے۔ دریاپار تک پہنچے تو صدہا مسلمان جمع ہو گئے۔ یہاں سرکاری فوج سے جس کی کمان بارلو صاحب کر رہے تھے مقابلہ ہوا' مسلمانوں کی جمعیت منتشر ہو گئی اور کثیر تعداد شہید ہو گئی لیکن حضرت مولوی امیر علی شاہ صاحب تنہا مقابلہ کرتے رہے اور بالآخر درجہ شہادت پایا۔ اس حادثہ کی تاریخ مولوی صاحب نے پہلے ہی فرمادی تھی ع

سرِ میداں کفن بر دوش دارم

حضرت مرزا خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا وطن مہونہ ضلع لکھنو ہے۔ نوجوانی میں اپنے ماموں مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب کے ہمراہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غرض یہ تھی کہ حضرت کی سفارش سے روزگار حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت مولانا نے مرزا فضل علی خاں چکلہ دار، ردولی کے نام رقعہ لکھوا دیا۔ اس وقت حضرت مولانا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ ایک لقمہ مرزا خدا بخش کو بھی عنایت کیا آپ نے کھالیا اور فوراً قلب میں حرارت محسوس کی مگر اس کیفیت کو اس وقت سمجھ نہ سکے۔

زمانہ قیام ردولی میں درگاہ عالم پناہ حضرت شیخ العالم مخدوم احمد عبدالحق علی نبینا و علیہ السلام پر حاضر ہوتے تھے اور خاص کیفیت پیدا ہو جاتی تھی کہ اپنے دل کو دنیا کے تعلقات سے سرد پاتے تھے اور درویشوں کی عظمت و محبت سے لبریز لیکن جب وہاں سے رخصت ہوتے تو یہ کیفیت جاتی رہتی۔

ایک سال کے بعد لکھنو حاضر ہوئے اور حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست بیعت کی۔ خلافِ عادت حضرت مولانا نے انکار فرمایا اور کہا کہ تمہارے لئے مرشد ہم سے بہتر ہونا چاہیئے۔ تلاش کرو۔ اگر یادِ الٰہی کا شوق ہے تو میں کچھ بتادوں۔ چنانچہ ذکر دوازدہ تسبیح کا حضرت کا معمول تھا تلقین فرمایا اور ہدایت کی کہ جنگل میں جا کر تنہائی میں پڑھا کرو۔ پھر واپس ردولی شریف گئے اور حسب ارشاد عمل کرتے رہے۔ ایک سال بعد پھر مولانا کے حضور میں حاضر ہوئے اور درخواست بیعت کی۔ حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ اس پر مرزا صاحب کو

بہت اذیت ہوئی اور بے اختیار رونے لگے۔ حضرت مولانا نے تسلی دی اور حبس دم کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ حضرت مخدوم صاحبِ توشہ ردولی کے آستانہ کی جاروب کشی کرو تم کو بہت فائدہ ہوگا۔ پھر حضرت مرزا صاحب ردولی شریف واپس گئے اور تعمیل ارشاد میں مصروف ہوئے۔ اس مرتبہ ولولہ عشق و عزیمت ترک دنیا کا غلبہ ہوا اور چوتھے سال پھر لکھنو آئے اور حاضر خدمت اقدس ہوئے جیسے ہی حضرت مولانا قدس سرہ نے آپ کو دور سے آتے دیکھا فرمایا کہ آؤ۔ آؤ۔ اب مرید بھی ہو جاؤ۔ اور آپ کو حجرہ شریف میں بیعت کیا۔ اگلے روز در ر مثنوی شریف کے وقت آپ نے حضرت مولانا سے دریافت کیا کہ راہ وصول کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ؎

تو مباش اصلا کمال این ست و بس　　رو درو گم شو وصال این ست و بس

پھر آپ نے سوال کیا کہ فنا کیسے حاصل ہو۔ ارشاد فرمایا کہ مثنوی شریف میں اول سے آخر تک یہ ہی ہدایت ہے کہ ترک غذا کرو اور ترک غذا کے بعد جس قدر لوازِم ہستی ہیں سب ترک ہو جائیں گے اس گفتگو کے بعد حضرت مرزا صاحب ردولی تشریف لے گئے اور نوکری سے دست کش ہو کر ایک لنگوٹ باندھ کر مسجد میں بیٹھ گئے اور بیس روز ایک مٹھی جو کے آب جوش پر گزر کیا۔ اور اس کے بعد اس کو بھی ترک کر دیا اور چالیس روز پورے کر کے چلہ ختم کیا۔ پھر دوسرا چلہ شروع کر دیا۔ لیکن اس مرتبہ بے طاقتی حد سے متجاوز تھی۔ مسجد سے چودھری صاحب کے باغ میں آگئے اور صرف قلیل مقدار دودھ پر گذر کی۔ ابھی چالیس روز نہ گزرے تھے کہ حضرت مخدوم احمد عبدالحق قدس سرہ کی زیارت نصیب ہوئی اور یہ حکم ہوا کہ ہماری درگاہ میں حاضر ہو۔ آپ نے عرض کیا کہ ایک دن چلہ کا باقی ہے اس کو پورا کر کے حاضر ہوتا ہوں۔ اس کے بعد آپ مزار فایض الانوار حضرت مخدوم صاحب پر حاضر ہوئے اور موردِ الطاف بے پایاں رہے۔ پھر آپ کو شوق ہوا کہ یہ کیفیات اور مراتب جو حاصل ہوئے وہ حضرت مولاناؒ کے حضور میں عرض کروں، لکھنو تشریف لا کر حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ حضرت مولاناؒ نے دریافت کیا کہ لباس جسم سے کیوں جدا کر دیا۔ عرض کیا جو خدا نے چاہا وہ ہوا اس پر حضرت نے مبارکباد دی اور فرمایا کہ ہم کو بھی ابتدا میں ایسی ہی زیارت حضرت شیخ العالم کی میسر ہوئی تھی مگر یہ حال کسی سے بیان نہ کرنا۔

مرزا خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ نے شاہ نہال الدینؒ صاحب کا شہرہ سنا تھا۔ اُن کے پاس

سندیلہ حاضر ہوئے۔ ایک ہفتہ قیام کیا شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تمہارے مرشد کی کفشِ پاکی برابر بھی نہیں ہوں۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ پھر آپ شاہ نیاز احمد صاحب کی خدمت میں بریلی حاضر ہوئے اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا شاہ صاحب موصوف نے ارشاد کیا کہ اول تو مقام تمہارے مرشد کا عالی ہے دوسرے تم بغیر اجازت اپنے مرشد کے آئے ہو اور تمہارے مرشد نے ہم کو لکھا ہے کہ ہمارے پاس بھیج دو اس لیے ہم خط لکھ دیتے ہیں تم واپس جاؤ۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب کا خط لے کر حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے مرشد اور حضرت شیخ العالم کے یہاں کس چیز کی کمی ہے کہ اس کی طلب میں جا بجا پھرتا ہے۔

ایک دن حضرت مولانا نے مراقبہ کے بعد تنہائی میں مرزا صاحب کو طلب کیا اور توجہ دی اور فرمایا کہ تیرے نصیب کا جو کچھ ہمارے پاس تھا تجھے سپرد کیا ضائع نہ کرنا اور طالب خدا سے دریغ نہ کرنا۔

اس کے بعد ردولی شریف حاضر رہے۔ سات سال بعد حضرت مولاناؒ کے ایماء سے وطن تشریف لے گئے۔ نکاح کیا اور مہونہ میں اقامت فرمائی۔ جب کبھی آپ نے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں تنگی معاش کی شکایت کی تو یہی حکم ملا کہ تم مہونہ کی میخ بن جاؤ اور اگر املی کے پتوں اور کنویں کے پانی پر گزر کرنی پڑے تو اُسی سے اپنے اور اپنے متعلقین کی گزر بسر کرو چنانچہ زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ حضرت کے مریدین و معتقدین کا سلسلہ بڑھنا شروع ہوا۔ ان میں منشی دیپ چند۔ رادھے لال وغیرہ معززین اہل ہنود تھے اور آپ نے منشی دیپ چند کو جن کا نام شاہ محمد بخش رکھا گیا اپنا جانشین قرار دیا۔ اس درگاہ کا فیض اور حضرت مرزا صاحب کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔

خلیفہ شیخ عبدالحمید صاحب رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا اسم مبارک نجف علی خاں تھا۔ مئو شمس آباد ضلع فرخ آباد کے رہنے والے اور قوم کے پٹھان تھے۔ غازی الدین حیدر کے زمانہ میں لکھنو آئے اور حضرت مولانا قدس سرہ کے مرید ہو گئے اور شب و روز حاضر خدمت رہتے تھے۔ مراقبہ میں حضرت مولاناؒ کے پاس بیٹھتے تھے۔ تین سال اسی طرح گزرے اس کے بعد حضور میں عرض کیا کہ اللہ کا راستہ تعلیم فرمایئے آپ نے فرمایا کھانا مت کھاؤ۔ خاں صاحب نے دریافت کیا کہ پھر کیا کھاؤں' فرمایا کہ

گیہوں کی بھوسی کی روٹی پکا کر کھاؤ چنانچہ چار سال تک بھوسی کی روٹی بغیر نمک اور شیرینی کے کھاتے رہے یہ بھی اجازت ہو گئی تھی کہ بغیر شکر کا دودھ لیا کرو۔ اس طرح جب چار سال گزرے گئے تو فرمایا کہ اپنے قلب پر نظر کرو' خاں صاحب نے دیکھا اور عرض کیا کہ میرا حال آپ پر روشن ہے بھوسی کھاتے کھاتے جسم میں طاقت نہیں رہی۔ فرمایا کہ ایک مٹھی جو کا دلیا دودھ میں پکا کر کھالیا کرو۔ گیارہ مہینے یہ دلیا کھاتے رہے۔ اس غذا کی پابندی سے دل کی صفائی بڑھی اور بُری خصلتیں جاتی رہیں اور صفات حمیدہ بیدار ہو گئیں۔ اسی زمانہ میں ایک روز حضرت مولانا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ اب تو پٹھان نہیں رہا اس لئے میں نے تیرا نام شیخ عبدالحمید رکھ دیا اب نجف علی خاں کے نام سے جواب نہ دینا۔ خاں صاحب نے آداب عرض کیا اور نذر پیش کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ تہجد پڑھا کرو۔ اور تہجد کے بعد جو سجدہ طولانی کرتا ہوں اس میں میرے پیچھے شریک ہو جایا کرو۔ چنانچہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ اس دن سے میں شب کو نماز اور سجدہ میں شریک ہوتا تھا اور اس وقت مجھ پر جو کیفیت گزرتی تھی اور جو تجلی مجھ پر پڑتی تھی اس کا ذکر تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا' تمام دن اس انتظار میں رہتا تھا کہ کب دن ختم ہو اور رات آئے اور میں حضرت کے ساتھ سجدہ میں شریک ہوں۔

آپ نے واپس جاکر سلسلہ رشد و ہدایت جاری فرمایا اور اس نواح میں آپ کی ذات سے مریدین و معتقدین نے فیوض بے پایاں حاصل کئے۔ مزار پُر انوار آپ کا قائم گنج ضلع فرخ آباد میں ہے۔

خلیفہ شاہ حسین بخش خاں صاحب فرخ آبادی

حضرت مولانا قدس سرہ کے خلفاء و مریدین میں آپ صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی تصانیف رسالہ سیف الحق' رمز الخلافت' دلیل المحدثین' مراۃ الحقائق ہیں۔ بڑے مجاہد' بلند ہمت اور صحیح معنوں میں متوکل تھے۔ صورت شکل میں حضرت مولاناؒ کے مشابہ ہو گئے تھے۔ آپ کے مریدین و معتقدین کا بڑا حلقہ تھا علاوہ مسلمانوں کے اہل ہنود بھی آپ کے مرید تھے آپ کے ممتاز خلفاء میں جناب سید نجف علی صاحب جناب سید جیون میاں صاحب جناب حافظ بانکے صاحب جناب شاہ عنایت حسین صاحب' جناب چراغ علی صاحب' جناب شاہ اعتقاد صاحب' جناب موجود شاہ صاحب' جناب میر عظمت علی شاہ صاحب' جناب

الٰہی صاحب' جناب شاہ سید احمد صاحب اور جناب شاہ طالب[1] حسین صاحب' قابل ذکر ہیں۔

آپ کا وصال یکم ربیع الاول ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء بروز جمعہ ہوا۔ فرخ آباد میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ کے خلیفہ حضرت شاہ طالب حسین صاحب آپ کے جانشین ہوئے جنہوں نے اپنے مذہب اور آبائی جائداد سے قطع کر کے اپنے مرشد کی خدمت اور ان کی ہدایت سے بڑا مرتبہ پایا اور خود صاحب ارشاد ہوئے۔(۱)

خلیفہ مولوی سید محمد آصف سیتاپوری

مولوی سید محمد آصف جن کا وطن سیتاپور تھا اور وہاں کے معزز رئیس تھے امامیہ مذہب رکھتے تھے۔ منتظم الدولہ کے زمانہ میں آپ کو درویشوں کی طرف توجہ ہوئی اور اکثر فقراء و مشائخ کے پاس اعتقاداً خواہ امتحاناً حاضر ہوئے اپنی خوش قسمتی سے ایک روز لکھنو میں حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند روز کی آمد و رفت کے بعد ایک روز تنہائی میں عرض کیا کہ اگر حضرت کی توجہ سے میرے قلب میں بھی نسبت پیدا ہو جائے تو میں اپنے فاسد عقیدہ سے توبہ کر کے حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت کر لوں۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا اِنّ اللہ علی کُل شئیء قدیر (ترجمہ) بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ چنانچہ بعد نماز ظہر سید صاحب کو مراقبہ میں بٹھایا اور توجہ دی۔ اللہ کے فضل اور حضرت مولاناؒ کی برکت سے فنائے کامل حاصل ہو گئی اور ذکر قلبی جاری ہو گیا۔

سید صاحب نے خود اپنی زبان سے مولوی نور اللہ صاحب اور دوسرے حاضرین کے سامنے اس کا اعتراف کیا کہ سر سے پاؤں تک نسبت طاری ہو گئی ہے اور بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا ہے چنانچہ سرکار رعشہ مرتے دم تک قائم رہا' بہر حال آپ بیعت اور اجازت و خلافت حاصل کر کے سیتاپور واپس ہوئے اور وہیں وصال ہوا۔ سیتاپور میں آپ کے علاوہ مولوی غلام اولیا اور میر فضل حسین جن کا عرف قل ہو اللہ شاہ تھا صاحبِ ارشاد گزرے ہیں۔ مولوی غلام اولیاء صاحب تارک الدنیا ہو گئے تھے اور دریائے گنگا کے کنارہ قیام پذیر تھے۔ قل ہو اللہ شاہ نے سیاحت اختیار کی اور اضلاع شمالی میں کرت پور' نجیب آباد اور نگینہ وغیرہ میں سیکڑوں مرید آپ کے ہوئے اور غالباً گڑھی سلیم پور میں جو ضلع مراد آباد میں واقع ہے مدفون ہیں۔

نمبر۔۱۔ شاہ طالب حسین صاحب کے حالات صفحہ ۱۲۷ پر دیکھئے۔

مولوی شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ

آپ کے بزرگوں کا وطن قصبہ اغوان پور ضلع مراد آباد تھا۔ آپ سلطان پیر غیب رحمتہ اللہ علیہ صاحبِ ولایت کی اولاد میں سے تھے۔ شاہ شاکر علی صاحب مرشد شاہ کالی جوان کے نانا ہوتے تھے قصبہ ستر کھ متعلقہ لکھنو میں دفن ہیں۔ جہاں انھوں نے بود و باش اختیار کر لی تھی اور اپنے مرشد کی درگاہ کے مجاور ہو گئے تھے۔ مولوی شمس الدین صاحب تیرہ برس کی عمر میں لکھنو آئے اور حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض تعلیم حاضر ہوئے اور اُنیس سال کی عمر میں مرید ہو گئے۔ آپ نے مولوی نور اللہ صاحب سے حضرت مولاناؒ کے وصال کے بعد مثنوی شریف اور کاسرۃ الاستان پڑھا۔ عارف باللہ ہو گئے' نوکری اور جائیداد وغیرہ سب ترک کر کے درگاہ شریف میں مستقل قیام اختیار کیا اور یہیں مدفون ہوئے۔

مولوی انور علی صاحب بجنوری

مولوی انور علی صاحب قصبہ بجنور کے رہنے والے تھے ابتداء جوانی میں لکھنو آئے اور تحصیل علم کی استعداد کامل پائی۔ ابتداء عمر سے خوش عقیدہ اور صلاح و تقویٰ کی طرف مائل تھے ہمیشہ حضرت مولاناؒ کی محفل سماع میں شرکت کرتے تھے جس زمانہ میں حضرت مولاناؒ کو استغراق تھا اس وقت مرید ہوئے تھے اور یہ خلجان رہا کہ ایسی حالت میں بیعت صحیح ہوئی یا نہیں لیکن بعد کو حضرت مولاناؒ نے عالم رویاء میں دوبارہ بیعت سے مشرف فرمایا اور معنی کلمہ توحید کی تعلیم فرمائی۔ اُس وقت سے مولوی انور علی صاحب کی توجہ اور نسبت اپنے پیر و مرشد سے روز افزوں ہوتی گئی روزانہ مزار شریف پر حاضر ہوتے تھے اور بعد کو درگاہ شریف میں مستقل قیام اختیار کیا۔ مولوی نور اللہ صاحب سے رسالہ توحید اور نغمہ عشاق وغیرہ کتابیں پڑھیں آپ اچھے خوشنویس بھی تھے۔ آپ کی تصنیف دو رسالے تحفہ رحمانی اور القاء رحمانی غیر مطبوعہ موجود ہیں۔

پنو خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ

جناب پنو خاں صاحب خلف رحمت خاں قوم افغانان' ساکن محلّہ مکیا ٹولہ لکھنو اوائل عمر میں سلطان غازی الدین حیدر کی سرکار میں ملازم تھے۔ مولوی رحمت بخش مؤذن اور خادم خاص تھے حضرت مولانا قدس سرہ کے چلے جانے کے بعد آپ کو اُن کی خدمات سپرد ہوئیں۔

فجر کی اذان اول وقت حضرت مولانا قدس سرہ بذات خود دیتے تھے لیکن بقیہ اوقات کی اذان اول وقت آپ کہتے رہے۔ بادشاہ کی سرکار سے تعلق ملازمت ختم ہونے پر آپ مستقل طور پر ہمہ وقت حضرت مولاناؒ کی خدمت میں رہنے لگے دس سال کے بعد آپ بیعت سے مشرف ہوئے۔ اپنے پیرومرشد سے جو طریقے مجاہدہ نفس وریاضت کے سنتے تھے اُن پر عمل اور تکمیل کی کوشش فرماتے رہے۔

ایک روز حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ المشائخ والاولیاء حضرت فریدالدین گنج شکر علی نبیناوعلیہ السلام نے چالیس سال تک ہر وقت غسل کر کے نماز پڑھی تھی اور نماز غسل کے ساتھ خدا کو بہت مقبول ہے۔ چنانچہ اُس روز سے آپ نے زندگی بھر روزانہ سات بار غسل کا اہتمام فرمایا۔ جو حالتِ بیماری اور کسی معذوری میں بھی ناغہ نہیں ہوا۔ ایک روز حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہم کو جو کچھ اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا بذریعہ مراقبہ اور شب بیداری کے مرحمت ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ نے شب بیداری اور مراقبہ اپنا معمول بنالیا۔ اور حالت مراقبہ میں وصال فرمایا۔

ایک روز حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ فقر کا مدار ترک غذا پر ہے اور حضرت مولوی معنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ جملہ صفات ذمیمہ حتی کہ کفر وشرک شکم سیری سے پیدا ہوتی ہیں آپ نے یہ سُن کر غذا بالکل چھوڑ دی۔ ہفتہ عشرہ کے بعد اذان کہنے میں آواز بہت مضمحل تھی حضرت مولانا قدس سرہ نے اس بات کو محسوس کیا اور اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ حاضرین میں سے کسی نے آپ کے ترک غذا کی تفصیلات بیان کیں۔ حضرت مولاناؒ نے آپ کو طلب فرما کر ہدایت فرمائی کہ تم ہماری اطلاع واجازت کے بغیر کوئی ریاضت مت کرو اور میں تمہارے اس کام سے خوش نہیں ہوا اگر ہمارے پاس رہنا ہے تو جو کچھ میسر آئے روزانہ کھاؤ۔ اُس روز سے آپ نے ایک وقت عصر مغرب کے درمیان کھانے کا معمول فرمایا۔ اور اس میں بھی اچھے بُرے خشک وتر کی کوئی پابندی نہ فرماتے تھے۔ جو کھانا باقی بچ جاتا وہ اور نذر ونیاز کی چیز جو ملتی آپ سادات پنجاب کو پیش کر دیتے تھے۔ جب کسی محتاج یا کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ضرورت پیش آتی تھی تو خانقاہ شریف کے رہنے والے سادات پنجاب سے قرض لے لیتے تھے اور جب نذر میں کہیں سے نقد آتا تھا تو یہ قرضہ ادا فرمادیتے تھے۔ فتوحات یا نذر میں نقد وجنس جب کبھی کچھ آتا تھا اپنے پاس کچھ جمع نہ فرماتے تھے بلکہ جلد اپنی ضروریات میں خرچ کرتے اور جو کچھ اپنی ضروریات سے زیادہ ہوتا کسی ضرورت مند یا سادات پنجاب کی نذر کر دیتے تھے فنافی

الشیخ ہونے کی شان آپ میں بہت نمایاں تھی۔

آپ کا وصال مراقبہ میں بیٹھے بیٹھے ۲۷ رجب کو ہوا اور حضرت مولانا قدس سرہ کے احاطہ درگاہ میں دفن ہوئے۔

لالہ مکھن لال قوم کایستھ ساکن قدیم لکھنو

آپ رائے بھگوان داس کے داماد تھے جو نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانہ میں ممتاز عہدے پر سرفراز تھے۔ لالہ مکھن لال کے صاحبزادے منشی رام دیال اور بشن دیال بھی حضرت مولاناؒ کی حیات میں اور بعد وصال بھی برابر شوق و محبت سے خدمت اور اظہارِ عقیدت کرتے تھے۔ روزانہ ان کے باغ کے پھول مزار فائز الانوار کے لئے آتے تھے اور ہر مہینہ کی چھٹی تاریخ فاتحہ کے لئے شیرینی بھیجتے تھے۔ منگل اور جمعہ کو قوالی میں شرکت کرتے تھے' عرس کے زمانہ میں پورا اہتمام درگاہ کی مرمت' روشنی' فرش وغیرہ ان کے ذمے تھا۔ عرس کے اکثر مصارف انھیں سے متعلق تھے مزار شریف کا گنبد جو شہید ہو گیا تھا اس کو از سرِ نو ان ہی صاحبوں نے تیار کرلیا۔

ایک روز لالہ مکھن لال حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ رام دیال ان کے صاحبزادہ جن کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی حضرت مولاناؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ابھی صحنِ مسجد کے زینہ تک پہنچے تھے کہ حضرت مولاناؒ نے لالہ مکھن لال سے فرمایا کہ ہمارا منشی آتا ہے۔ جب لڑکا قریب آیا اور سلام کیا تو آپ نے فرمایا مرحبا۔ مکھن لال نے یہ الفاظ سنے اور آداب بجالائے۔ رام دیال مرزا عبداللہ بیگ کی سرکار میں منشی گری کے عہدہ پر مولاناؒ کی زندگی میں ملازم ہو گئے اور یہ لقب ایسا مشہور ہوا کہ اس کے بعد تمام امراء اور عمائد سلطنت انھیں اسی لقب سے یاد کرنے لگے۔

منشی رام دیال کا بیان ہے کہ جب میری عمر بارہ برس کی تھی اور میں مولوی رحمت بخش سے جو حضرت مولاناؒ کے رفیق تھے ابتدائی درسی کتابیں پڑھتا تھا۔ ایک روز سبق پڑھنے آیا اور حضرت مولانا کو سلام کیا آپ نے بُلایا اور پوچھا کیا پڑھتے ہو میں نے عرض کیا کہ سکندر نامہ اور ہدایۃ النحو۔ فرمایا میرے پاس لے آؤ' میں دونوں کتابیں لے گیا۔ حضرت مولاناؒ نے بسم اللہ کر کے سکندر نامہ کی پہلی مناجات ؎

خدایا جہاں بادشاہی تراست زما خدمت آید خدای تراست

دوسری مناجات کے ان اشعار تک ؎

بزرگا بزرگی و ہا بیکسم توئی یاوری بخش و یاری رسم
نیاو ردم ازخانہ چیز نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

ایک ایک شعر کر کے پڑھا اور ساتھ ساتھ میں بھی پڑھتا گیا اس کے بعد ہدایۃ النحو کا خطبہ پڑھا پھر ارشاد فرمایا کہ تمہیں فارسی، عربی اور جس علم میں چاہو پوری دستگاہ حاصل ہے اور کیا چاہیے تمہارے والد خواہ مخواہ شکوہ کرتے ہیں۔ منشی رام دیال کہتے ہیں کہ اُس روز سے جو کتاب بھی کسی علم کی میں نے شروع کی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے پڑھ چکا ہوں۔

صاحبانِ سجّادہ درگاہ شریف

حضرت شاہ فتح علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ

(خلیفہ وجانشین اول حضرت مولانا صاحب قدس سرہ)

حضور کے والد کا اسم شریف محمد فاضل خاں تھا۔ آپ کے بزرگوں کا قدیم وطن فتح پور بسوہ اور ولادت آپ کی قصبہ امیٹھی ضلع لکھنو کی تھی۔ شرفِ بیعت حاصل کر کے حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں احاطہ خانقاہ میں مع اہل عیال قیام فرمایا۔ مولوی رحمت بخش خانساماں کی روانگی کے بعد اُن کی بجائے حضرت مولاناؒ نے آپ کو اپنی خدمت میں رکھا اور آپ کی حسنِ خدمات اور عقید تمندی سے حضرت مولاناؒ کو آپ سے خاص اُنس و تعلق ہو گیا۔

ایک روز حضرت مولانا قدس سرہ نے مولوی نوراللہ صاحب سے بطور مشورہ فرمایا کہ فتح علی اپنے دل میں تمنا رکھتے ہیں کہ میری زندگی میں اُن کے لئے وطن میں معاش کا سامان ہو جائے۔" مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اگر حضور توجہ فرمائیں تو بہ آسانی ممکن ہے۔ حضرت مولاناؒ نے دریافت فرمایا کس طرح؟ مولوی نوراللہ صاحب نے عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو تو حضور کی طرف سے عمادالدولہ میر فضل علی خاں بہادر کو رقعہ لکھ دیا جائے کہ ایک سو بیگہ پختہ زمین معافی قصبہ امیٹھی میں مدد معاش کے لئے دے دی جائے۔ حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ میں اپنی ذات و متعلقین کے لئے سوال نہیں کرتا ہوں اور فتح علی مجھ سے متعلق ہیں۔ مولوی نوراللہ صاحب نے عرض کیا تمام دنیا پر روشن ہے کہ آپ اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ذاتی غرض نہیں ہوتی ہے۔ دن رات دوسروں کی مدد اور سفارش کے لئے سیکڑوں خطوط لکھے جاتے ہیں لیکن میاں فتح علی تو حق خدمت کے باعث مستحق بھی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اگر تمہاری رائے ہے تو رقعہ لکھ کر دے دو۔ چنانچہ جناب مولوی نوراللہ صاحب نے ایک خط سفارشی لکھ حضرت میاں فتح علی صاحبؒ کے حوالہ کیا۔ حضرت نے وہ خط شام کو جا کر

عمادالدولہ کے دوست اور حضرت مولاناؒ کے مخصوص مرید مولوی امانت علی صاحب کو دیا کہ یہ خط آپ عمادالدولہ بہادر کو پہنچادیں۔ انھوں نے حضرت میاں فتح علی صاحبؒ سے بہ تفصیل معاملہ کو سنا' سمجھا اور کہا کہ انشاءاللہ کل میں عمادالدولہ بہادر سے جواب باصواب لے کر حضرت مولاناؒ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوں گا۔ معلوم نہیں رات میں حضرت مولاناؒ قدس سرہ کو کیا خیال آیا یا کوئی غیب سے حکم ہوا کہ صبح کو بعد نماز فجر حضرت میاں فتح علی صاحبؒ سے ارشاد ہوا کہ کل کا رقعہ مولوی امانت علی سے فوراً واپس لے آؤ۔ چنانچہ اُسی وقت حضرت مولانا قدس سرہ کا حکم سنایا مولوی صاحب نے بہ اصرار عرض کیا کہ میں ابھی عمادالدولہ بہادر کے پاس جارہا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ انشاءاللہ آج ہی احکامات جاری ہو جائیں گے۔ لیکن حضرت مولانا قدس سرہ کے حکم کے مطابق حضرت میاں فتح علی شاہ صاحبؒ نے رقعہ واپس لے لیا اور لا کر حضرت مولاناؒ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ نے وہ رقعہ چاک فرمادیا۔ حاضرین دل میں سوچ رہے تھے کہ معلوم نہیں اس میں کیا خاص مصلحت ہے۔ اسی روز دوپہر کو حضرت میاں فتح علی صاحبؒ کو یاد فرمایا گیا اور نماز ظہر کے وقت اپنے سر سے دستار اُتار کر حضرت میاں صاحبؒ کے سر پر رکھی اور حضرت مولانا قدس سرہ خود ان کے مقتدیوں میں کھڑے ہوئے۔ حضرت میاں فتح علی شاہ صاحب ان سب مراتب اور توجہ خاص پر حیران تھے۔ حضرت مولاناؒ نے حکم دیا کہ والضحیٰ اور الم نشرح تمھیں یاد ہے امامت کرو بموجب حکم میاں صاحبؒ نے ڈرتے ڈرتے امامت فرمائی۔ اسی طرح عصر' مغرب اور عشاء کے اوقات میں بھی میاں فتح علی صاحبؒ امام اور حضرت مولانا قدس سرہ مقتدی ہوئے۔ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد میاں فتح علی صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ کی حضور میں عرض کیا کہ حضور نے ازراہِ غلام نوازی فدوی کو سرفراز فرمایا ہے لیکن میں بے پڑھا لکھا ہوں حضور کے بعد مجھے کون پوچھے گا۔ حضرت مولانا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ جو مجھے پوچھے گا وہ تمھیں پوچھے گا۔ اس پر جناب مولوی نوراللہ صاحب نے نذر جانشینی حضرت مولاناؒ کی حضور میں پیش کی حضرت مولاناؒ نے نذر لے کر حضرت میاں فتح علی شاہ صاحبؒ کے ہاتھ میں دی اور مولوی صاحب کی تعریف فرمائی اور بعد کو مرزا کلن بیگ اور دوسرے حاضرین نے نذر اور مبارکباد پیش کی اگلے دن صبح کی نماز سے حضرت مولانا قدس سرہ پھر بدستور خود امامت فرمانے لگے۔

اسی سال ایک روز حضرت میاں فتح علی شاہ صاحبؒ کو حضرت مولانا قدس سرہ نے حجرہ

اور خلوت میں طلب کیااور مراقبہ تعلیم نسبت خاص فرمائی۔ حضرت مولاناؒ کے وصال اور سوم کے بعد شہر کے تمام مشائخ، سلسلہ کے خلفاء علماء فضلاء نے جمع ہو کر حضرت مولانا کا جبّہ و عمامہ اور درگاہ عالم پناہ حضرت شیخ العالم عبدالحق علی نبینا کی دستار (جو حضرت شاہ ہدایت احمد صاحبؒ صاحبزادہ ردولی شریف لائے تھے) حضور میاں فتح علی شاہ صاحبؒ کو پہنا کر حضرت مولانا قدس سرہ کا جانشین بنایا۔ پہلے سلسلہ کے خلفاء نے نذریں پیش کیں۔ پھر تمام حاضرین نے بڑی تعداد میں نذریں گزاریں۔ قوالی ہوئی اور کثیر مقدار میں انواع واقسام کے کھانے تقسیم کئے گئے۔ سادات پنجاب کو نقد و جنس بڑی کثرت سے تقسیم کیا گیا۔

حضور کا وصال ۶/ محرم ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۶ء کو ہوا حضرت مولانا قدس سرہ کے مزار مبارک کے برابر دفن ہیں۔

بفضل الٰہی صدہا اشخاص آپ کے حلقہ بیعت میں شامل ہوئے اور اپنی دلی مراد کو پہنچے۔ آپ کے مریدوں میں اکثر بڑے بزرگ گزرے ہیں جن سے رشد و ہدایت کا سلسلہ دور و نزدیک جاری رہا۔ چنانچہ حضرت منشی ولایت علی خاں معروف بہ شاہ عزیز اللہ المتخلص بہ عزیز صفی پوری نے اول آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم شاہ صفی قدس سرہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ خادم صفی محمدی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کی جن کا کلام لغت فارسی واردو اور دوسری تصنیفات (الف) اب شائع ہو گئی ہیں اور اہلِ ذوق کے لئے سرمایۂ ہدایت ہیں۔ آپ کی مشہور غزل ؎

دو عالم بکاکل گرفتار داری بہر مو ہزاراں سیہ کار داری

قبول عام کی سند رکھتی ہے اور اہل حال اور صوفیاء کرام کے ورد زبان ہے۔

حضرت شاہ رحمٰن بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شاہ فتح علی صاحب رحمتہ علیہ کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے حضرت شاہ رحمٰن بخش صاحب سجادہ نشین ہوئے آپ اپنے والد ماجد کی حیات میں بھی الولد سُر لابیہ کے مصداق تھے اور آپ کے صفاتِ حمیدہ تواضع اور انکسار کا ہر شخص معترف تھا سجادہ نشینی کے بعد

(الف) حضرت عزیز صفی پوری کی تصنیفات آپ کے مرید بااختصاص جناب محمد خصلت حسین صاحب صابری ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر مدراس صوبہ نے کتب خانہ صفویہ اکرام منزل۔ چوراہا یحییٰ گنج لکھنو سے شائع کی ہیں۔

آپ نے عزلت گزینی اور توکل کی جو شان دکھائی اس کی مثال کہیں نہیں ملتی' خود نمائی اور تصنع کا آپ کی ذات میں شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ جس روز سے سجادہ نشین ہوئے کبھی درگاہ شریف کے احاطہ سے باہر قدم نہیں نکالا لیکن حضرت مولانا قدس سرہ کی سنت کے مطابق حضرت شاہ میناصاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عرس میں قل کے روز وہاں حاضر ہو کر فاتحہ پڑھتے اور فوراً واپس تشریف لے آتے تھے اس کے علاوہ خاندان اور عزیز و قریب کی موت حیات یا کسی شدید ضرورت میں بھی آپ درگاہ شریف سے باہر تشریف نہیں لے گئے۔ آپ کے خاندان میں بچے بڑے مرد عورت تخمیناً بیس تھے' ان میں سے ہر ایک کی مختلف ضروریات ہوتی تھیں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں بھی ہوئیں۔ لیکن کبھی کسی موقع پر آپ نے درگاہ شریف سے باہر جانا پسند نہیں فرمایا' خود آپ کا دوسرا نکاح خالص پور میں ہوا مگر اس ضرورت سے بھی وہاں تشریف نہیں لے گئے۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے اپنے بعد کسی قسم کی کوئی آمدنی مدد معاش اپنے جانشینوں اور اخراجات درگاہ شریف کے لئے نہیں چھوڑی اور اس طرح توکل کا جو بلند معیار حضرت مولانا قدس سرہ نے قائم فرمادیا تھا وہ اس خانوادہ میں بدستور قائم ہے اور حضور کے سجادہ نشین آج تک اُس پر عمل پیرا ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ رحمٰن بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ مولوی محمد مظہر اللہ صاحب (نبیرہ جناب مولوی نوراللہ صاحب) نے دریافت کیا کہ اس مرتبہ عرس شریف میں تخمیناً کتنا روپیہ خرچ ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی حساب تو تیار نہیں ہوا ہے لیکن آپ کیوں دریافت کرتے ہیں کیا یہ منشاء ہے کہ اگر کچھ کسی کا دینا باقی ہو تو اس کا انتظام کیا جائے میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی میرا یہ طریقہ ہے کہ میں کبھی اپنی ذات یا عرس کے لئے قرض نہیں لیتا ہوں اور جو کچھ میسر آجاتا ہے اسی میں پورا کر لیتا ہوں اور اگر میرے پاس نہیں ہوتا تو خرچ بھی نہیں کرتا' اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت کے گھر کے لئے ایک بقال کی دوکان سے روزانہ جنس آتی تھی ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ پورا ہفتہ گزر گیا اور کوئی چیز دوکان سے نہیں منگائی۔ اس پر بقال کو خیال ہوا اور وہ خود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ حضور ناراض ہیں اور ایک ہفتہ ہو گیا کہ میری دوکان سے جنس نہیں آئی۔ اگر خفگی نہیں ہے اور جنس اس مصلحت سے نہیں منگائی گئی کہ اس وقت قیمت دینا دشوار تھی تو مجھے روپیہ کی جلدی نہیں

ہے آپ جنس منگاتے اور جب روپیہ آجاتا مجھے عنایت فرمادیتے' میں تقاضا کبھی نہیں کرتا۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نہیں کچھ ضرورت نہ تھی اس لئے جنس نہیں منگائی تھی، خفگی ناراضگی مطلق نہیں ہے۔ جب ضرورت ہوگی تمہاری ہی دوکان سے سامان آئے گا تم اطمینان رکھو۔

اس پر لطف یہ تھا کہ اگر کوئی نذر پیش کرتا تو آپ ردو قدح کے بعد قبول فرماتے اور بعض اوقات میں انکار فرمادیتے تھے' مثلاً ایک مرتبہ شاہ التفات احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین ردولی شریف تشریف لائے اور درگاہ شریف میں قیام فرمایا۔ آپ کے ملازم اور ہمراہی اُس وقت تک پہنچے نہ تھے اور اسباب بھی اُن ہی کے ساتھ تھا۔ آپ نے پان کی فرمائش کی لیکن پان آنے میں دیر ہوئی' دوبارہ تقاضا کیا' پھر بھی پان نہیں آیا تب حضرت شاہ رحمٰن بخش صاحب نے ظاہر کیا کہ کئی وقت سے پان نہیں ملا ہے گھر میں موجود نہیں ہے۔ اُس وقت حضرت شاہ التفات احمد صاحب نے کچھ روپیہ پیش کیا۔ حضرت نے معذرت کی اور قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ اگر میری حاجت آپ پر ظاہر ہوئی ہوتی تو میں قبول کرسکتا تھا۔ اب مجبوری ہے آپ معاف فرمائیں۔ یہ گفتگو ہو چکی تھی کہ ایک اجنبی شخص حجرہ میں آیا اور دریافت کیا کہ صاحب سجادہ کہاں ہیں' حضرت شاہ التفات احمد صاحب نے اشارہ سے حضرت میاں صاحب کو بتایا۔ اُس شخص نے سو روپے کا ایک نوٹ حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ ایک شخص نے مجھے دیا ہے کہ سجادہ صاحب کی نذر کردو' حضرت میاں صاحب نے نوٹ لینے میں تامل کیا حضرت شاہ التفات احمد صاحب نے اُس شخص سے پھر دریافت کیا کہ کس کو نذر دینا چاہتے ہو اور جب تحقیق کرلیا تو حضرت میاں صاحب سے کہا کہ یہ شخص صاف کہتا ہے کہ آپ ہی کے لئے یہ رقم آئی ہے' اس کو قبول فرمایئے' حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ مجھے بڑی رقم نذر میں کہاں ملتی ہے آپ کے پاس البتہ بڑی بڑی رقمیں آتی رہتی ہیں یہ بھی آپ ہی کے لئے ہوگی اس پر پھر اس شخص سے مزید تصدیق کی گئی تو اُس نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے سڑک پر مجھے یہ نوٹ دیا ہے میں اس آدمی کو جانتا پہنچانتا بھی نہیں اُس نے مجھ سے یہ یہی کہا تھا کہ حضرت مولانا صاحب کے سجادہ کو یہ روپیہ جاکر پہنچادو۔ تب پھر حضرت میاں صاحب سے اصرار کیا گیا اور شاہ صاحب نے مجبور کر کے نوٹ حضرت کے حوالہ کیا۔ اس پر بھی حضرت نے شاہ التفات احمد صاحب سے فرمایا کہ میں بڑا نوٹ کام میں لانا نہیں جانتا نہ اُس کا

خرد ہ کرانا آتا ہے بہتر ہو کہ اسے آپ ہی اپنی نذر سمجھ کر قبول فرمائیں۔ اس پر شاہ التفات احمد صاحب نے اپنے پاس سے اس نوٹ کے روپے حضرت میاں صاحب کے حوالے کئے۔

اس طرح کے اکثر واقعات روزمرہ مشاہدہ میں آتے تھے مگر اُن کا تذکرہ کبھی زبان پر نہیں آیا۔ درگاہ سے باہر تشریف نہ لیجانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت نے نئی ایجادات مثلاً ریل وغیرہ بھی نہیں دیکھی تھیں نہ شہر کی تبدیلیوں اور نئے حالات سے واقفیت تھی۔ سادگی اور انکسار کا یہ حال تھا کہ مدت العمر کبھی کسی نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح نہیں دیکھی نہ جبہ و دستار کبھی استعمال فرمایا' جمعہ کے دن اور عیدین میں نماز کے لئے ایک مختصر دستار سر پر رکھ لیتے تھے اور سوائے صبح کو مزار شریف پر مراقب بیٹھنے کے کبھی کسی وقت حلقہ وذکر کا معمول نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت مولاناؒ کا معمول تھا آپ بھی نماز اول وقت ادا فرماتے تھے اور سارا وقت نماز کے انتظار میں گزارتے تھے' اور اگر اس وقت کوئی حاضر ہوتا اور خدمت شریف میں گفتگو کرتا تو آپ خاموشی سے سنتے رہتے اور کبھی اپنی زبان سے کسی کی تعریف یا بُرائی نہ فرماتے اور غیبت کسی کی گوارا نہ فرماتے اگر کوئی کہتا بھی تو حضرت اُس کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ بزرگوں اور مشائخ کے تذکرہ میں کبھی ردو قدح نہ فرماتے' دوسروں کے ترک صوم و صلوٰۃ پر کبھی اعتراض نہ فرماتے۔ آپ کی سیرت مبارک کا یہ اثر تھا کہ آپ کے خاندان کے چھوٹے چھوٹے بچے اور وہ فرزند بھی جو خود صاحبِ اولاد تھے ہر حال اور ہر ضرورت میں مطمئن نظر آتے تھے اور کبھی کسی تکلیف یا حاجت میں ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے اُن کی اس حالت پر اطلاع پائی ہو یا اُنھوں نے اپنی زبان سے اس کا اظہار کیا ہو۔

آپ کا وصال ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں ہوا اور حضرت مولانا قدس سرہ کے پائن میں مزار مبارک واقع ہے۔

حضرت شاہ عزیز الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ

(از قلم جناب قاضی میر محمد صاحب مقیم درگاہ شریف)

آپ کا سنہ ولادت معلوم نہیں مگر جب آپ نے پردہ فرمایا تو سن مبارک پچھتر سال کا تھا۔ اس حساب سے ولادتِ ہمایوں ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں ہوئی۔

حضرت رحمٰن بخش رحمتہ اللہ علیہ کے کئی صاحبزادہ تھے ان کی نظرِ انتخاب آپ ہی پر پڑی

اور اپنی حیات ہی میں آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمادیا۔ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں جب حضرت رحمٰن بخش رحمتہ اللہ علیہ واصل بحق ہوئے تو آپ سجادہ نشین ہوئے اور آخر عمر تک اپنے پدر بزرگوار کے مسلک پر قائم رہے۔

آپ کے مزاج میں بغایت تواضع وانکسار اور گفتگو میں متانت واختصار تھا' لباس آپ کا ایسا سادہ اور درویشانہ تھا کہ اُس پر یہ شعر صادق آتا ؎

غرض از جامہ دفعِ حرو برداست　　ندارد میل زینت ہر کہ مرد است

اپنے بزرگوں کے مسلک پر استقامت ایسی تھی کہ آپ کے معمولات طرز زندگی اور تعلقات دنیاوی میں کبھی کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی جو اس سے پہلے خود حضرت مولاناؒ یا اُن کے جانشینوں میں نہ پائی جاتی ہو' مثلاً اس خانوادہ کا طرہ' امتیاز توکل وقناعت ہے یہاں کے سجادہ نشین بیرونِ درگاہ قدم نہیں رکھتے' خانقاہ شریف یا اخراجات عرس کے لئے کوئی جائداد وقف نہ کسی قسم کی کوئی مستقل آمدنی ہے۔ ایسی حالت میں فکرِ معاش سے یک لخت دست بردار ہو جانا ہی سب سے بڑی کرامت ہے خصوصاً ایسے انقلاب انگیز زمانہ میں جب کہ ناقابل برداشت گرانی کے علاوہ دوسری دشواریاں ایسی پیدا ہو گئیں ہیں کہ صاحبان ثروت واقتدار بھی اپنی خاندانی روایات کو بدلنے پر مجبور ہو گئے مگر حضرت شاہ عزیز الرحمٰن صاحب نے باوجود کثیر العیال ہونے کے جو کچھ ہوتا چلا آتا تھا برابر وہی کیا۔ اور کسی بات میں سر مو فرق نہ آنے دیا۔ نہ کبھی گرانی کا شکوہ تھا نہ کبھی اشارتاً کنایتاً اپنے کسی مرید سے کسی چیز کے طالب ہوئے۔ بعض ہواخواہوں نے اخراجات عرس میں کچھ کمی کرنے کا مشورہ دیا۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ آپ نے فرمایا "میری زندگی میں تو حسب معمول ہی ہوگا۔"

حضرت کی جانشینی کے بعد بعض صاحبوں نے اختلاف کیا اور ضرورت پیش آئی کہ حضرت کا بیان عدالت میں ہو مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ اس پر حاضری عدالت کا سمن جاری ہوا آپ نے تعمیل سے انکار کر دیا۔ اُس وقت یہ اندیشہ ہوا کہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو جائے گا۔ اور آپ کے وکیل اور احباب ومریدوں نے یہ رائے دی کہ حاضری عدالت سے بسبب مجبوری گریز نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں خود اپنے ارادہ سے قدم نہیں اُٹھاؤں گا مجبوراً کوئی مجھ کو لے جائے تو دوسری بات ہے۔ بالآخر عدالت نے حضرت کا عذر تسلیم کیا اور حاضری پر مجبور نہیں کیا۔

عبادت اور ریاضت کا یہ عالم تھا کہ چاہے کوئی موسم ہو ہمیشہ چار بجے تڑکے مزار شریف پر آجاتے اور بعد نماز ظہر طعام تناول فرماتے اندر جاتے پھر جب بر آمد ہوتے تو برابر باہر تشریف رکھتے اور بعد نماز عشاء اندر جاتے اور استراحت فرماتے۔ یوں تو ہر حاجتمند کے ساتھ لطف و عنایت سے پیش آتے تھے مگر مریدوں پر خاص نظرِ التفات تھی۔ وہ لوگ دور دراز کی باتیں کرتے مگر آپ اُن کا دل نہ دُکھاتے اور پاس انفاس کی وجہ سے زیادہ گفتگو نہ فرماتے۔ اور "خوب" "جی ہاں" فرمادیا کرتے تھے۔ صبح و شام خاص و عام کا اژدھام رہتا تھا۔ اس ہیچمداں کو یہ قابلیت کہاں کہ حضور کے پایۂ رفعت و معرفت کو سمجھ سکے ع

خوش پیش آفتاب چہ رونق دہد سہا

لیکن سلطان الاذکار کے اثرات کا اکثر بزرگوں کو مشاہدہ ہوا ہے جو اہل اللہ آجاتے اُن کی قدر و منزلت آپ اُن کے درجہ کی مطابق کرتے اور وہ مسرور و محظوظ جاتے۔ لیکن کسی آنے والے یا کسی موقع کے لئے کوئی اہتمام آپ نہ فرماتے تھے۔ اکثر امراء حکومت کے عہدہ دار اور وزراء حاضر آستانہ شریف ہوئے اور آپ کی خدمت میں آئے بعض مرتبہ آپ کو پہلے سے اطلاع بھی کی گئی اور بعض عقید تمندوں نے یہ چاہا کہ آپ اُن کے بیٹھنے کے لئے کچھ سامان کردیں مگر حضرت نے کبھی اپنی عادت اور طرزِ عمل میں فرق کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ صحن مسجد میں یا مزار شریف کے سامنے ٹاٹ کے ٹکڑے پر نشست فرمائی اور وہیں جو حاضر ہوا اس سے ملاقات کرلی۔

آپ نے پورے چوالیس سال جس حسن و خوبی سے حق سجادگی ادا کیا اُس کی نظیر کمیاب نہیں بلکہ نایاب ہے۔ تیس برس مسلسل یہ ہیچمداں کل حالات بچشم خود دیکھتا رہا ہے، شنیدہ کے بود مانند دیدہ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس ہیچمداں کو اس خانوادہ علیا سے بیعت کا شرف حاصل نہیں ہے کہ لوگ اس کج مج بیانی کو محسن عقیدت پر محمول کریں۔

زمانۂ عرس میں ۶/ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱/ فروری ۱۹۳۳ء کو قبل قل شریف آپ نے اپنے فرزند اکبر مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کو اپنا جانشین بنایا ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء سے صحت میں فتور آنے لگا کل کام مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کے سپرد فرمادیا بلکہ اگر کوئی کسی بات کو عرض کرتا تو آپ فرمادیتے کہ میاں خلیل سے کہو وہ جانیں۔ جب سے سلسلہ سوءِ مزاجی شروع ہوا آپ قبل غروب آفتاب اندرون خانہ تشریف لے جاتے۔

اس ہیچمداں کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی صاحب مرید آجاتے تو حضوری سے غائب

ہو جاتا۔ ۲۱ر جمادی الاول کو ایک مرید حاضر خدمت ہوئے آپ نے فرمایا "جو کچھ تم کو دیا گیا ہے اُسے حفاظت سے رکھنا"۔ در حقیقت یہ آپ نے اپنے وصال کی خبر دی تھی یہ جملہ اس قدر بلیغ تھا کہ وہ نہ سمجھ سکے۔ لوگ حسب معمول آتے جاتے رہے اور گفتگو وارشادات کے بعد ایک مرید کے سہارے سے آپ حرم سرا کو تشریف لے گئے۔ ناسازیٔ مزاج کے کچھ آثار نہ تھے۔ دس بجے شب تک کوئی امر جدید واقع نہیں ہوا۔ میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو خلافِ معمول درگاہ شریف کا پھاٹک کھلا دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضور کی طبیعت ناساز ہے۔ معاً اندر گیا۔ دیکھا پاس انفاس کا شغل ہے' زبان میں لکنت ہے شیخ عبدالوحید صاحب مرید خاص مع طبیب موجود ہیں۔ خود جناب خلیل الرحمٰن صاحب جو اچھے حکیم ہیں اور اب سجادہ نشین ہیں نبض دیکھ رہے ہیں مگر مرض کی تشخیص نہیں ہوتی۔ شیخ عبدالوحید صاحب نے اسی وقت ڈاکٹر بلایا وہ بہت سی دوائیں لے کر آئے۔ علاج شروع کیا کچھ تسکین سی محسوس ہوئی۔ سب کو خیال ہوا کہ اب طبیعت سنبھل جائے گی ۲۲ر جمادی الاول ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۳ر مارچ ۱۹۴۸ء کو میں اپنے کام پر گیا مگر جی نہ لگا مجبوراً واپس آیا۔ شیخ عبدالوحید صاحب نے مجھے اشارہ سے بُلایا اور کہا کہ پھر طبیعت خراب ہو گئی' یکایک فریاد و فغاں کی صدا نے بلند ہو کر ہم لوگوں کو بتایا کہ وہ مقدس ذات واصل حق ہوئی۔

راقم الحروف نے سویم میں مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ پڑھا۔

می سزد گر گل نہ خندد در چمن — می رسد گر غنچہ نکند ابتسام
از جہاں چوں شد بہارِ بے خزاں — آں عزیز نامور عالی مقام
از جمادِ اولیں بدبست و دوم — در گرفت آفاق رایکسر ظلام
چار شنبہ وقت نہ قبل از زوال — سوئے جنت شدرواں آں نیکنام
کرد شدت عارضہ درنیم شب — برلبِ او بود صلوات و سلام
در فراقش خونِ دل ریزیم ما — لالہ زارے ہست روئے ماتمام
سالِ رحلت میر عاصی زد رقم — واصلِ حق گشت آں فایق مقام

۱۳۶۸ھ

۱۹۴۸ھ

حضرت کے مریدین کا حلقہ وسیع تھا۔ شہر لکھنو اور مضافات کے علاوہ بیرونجات میں بھی بڑی

تعداد تھی۔ مقامی مریدوں میں شیخ عبدالوحید صاحب اور نوشاد علی صاحب ہیں جو درگاہ شریف کی ہر خدمت کے لئے دامے درمے قدمے سخنے موجود رہتے ہیں۔ اور آپ صاحبان کی ہمت وارادت سے حضرت کی خوابگاہ بصرف کثیر تیار ہوئی ہے۔ ان کو اور دوسرے مریدوں کو جو دینی ودینوی فوائد حاصل ہوئے اُن کا تذکرہ اگرچہ نفع سے خالی نہیں لیکن اس خاندان کے مسلک کے خلاف ہے۔ چنانچہ نہ ان مریدوں سے اور نہ خود حضرت کی زبانِ مبارک سے کبھی کوئی بات اس قسم کی بسبیل تذکرہ بھی کسی نے نہیں سنی۔ اس موقع پر صرف دو حکایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ بھی حسن اتفاق سے ہم تک پہنچی ہیں۔

(۱) میاں عبدالحفیظ صاحب ناقل ہیں کہ جب میں مرید ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ نماز پڑھا کرو۔ مگر میں اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہا۔ جب دوبارہ زیارت کے لئے آیا تو حضور نے پوچھا نماز پڑھتے ہو' عرض کیا نہیں' فرمایا کیوں؟ عرض کیا طبیعت نہیں لگتی۔ ارشاد ہوا جس طرح ہو سکے پڑھو۔ وضو نہیں کر سکتے تیمم کر کے پڑھو مگر ضرور پڑھو۔ میں نے نماز شروع کی تو پابند ہو گیا۔ اب اگر احیاناً قضا ہو جاتی ہے تو جب تک ادا نہیں کر لیتا طبیعت بے چین رہتی ہے۔

(۲) شیخ عبدالوحید صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں یہ بھی نہ جانتا تھا کہ بیعت ہے کیا چیز۔ مگر بزرگوں کی درگاہ میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ کئی بار خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ بیعت کر لو۔ میں نے حضرت سے عرض کیا۔ فرمایا کہ اجمیر شریف و کلیر شریف جاؤ' وہاں ایک سے ایک بزرگ ہیں' جس سے چاہنا بیعت کر لینا۔ میں دونوں جگہ گیا مگر بے نیل مرام واپس آیا۔ پھر ایک دن خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرماتے ہیں کہ "تو حضرت کا مرید ہو جا، بس تو حضرت مولاناؒ کا مرید ہو گیا"۔ میں اس مژدۂ جانفزا کو سن کر بعد نماز عصر شیرینی اور پھول لے کر مرید ہونے کی نیت سے درگاہ شریف میں حاضر ہوا حضرت نے حکم دیا کہ وضو کر لو۔ عرض کیا کہ باوضو ہوں' نمازِ عصر ادا کر کے آرہا ہوں۔ پھر فرمایا وضو کر لو۔ میں وضو کر کے درگاہ شریف کے اندر گیا اور فرقِ شوق سے پائے مبارک پکڑ لئے اور حضور کی بیعت کا افتخار حاصل کیا۔

اس کے بعد جو کام پیش آتا خواہ ظاہری سامان کچھ نہ ہوتا مگر حضور کے فرما دینے سے کہ ہاں کرو ہزاروں روپیہ صرف کر ڈالتا اور بڑے بڑے کام شروع کر دیتا۔ خدا معلوم

کہاں سے خود بخود اس کا سامان ہو جاتا اور آج تک ہو تا رہتا ہے۔:

حضرت مولانا شاہ خلیل الرحمٰن صاحب قدس سرہ'

حضرت شاہ عزیز الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت شاہ عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے ۶/ذیقعد ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱/فروری ۱۹۳۲ء کے عرس میں قُل شریف سے پہلے حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس کے بعد حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ تمام امور اور ضروریاتِ درگاہ شریف بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ حضرت شاہ عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے ۲۲/ربیع الاول ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۳/مارچ ۱۹۴۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت سے حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ نے باقاعدگی سے سجادگی کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے۔ رسمِ سجادگی کے موقع پر ردولی شریف کے سجادگان، بزرگانِ دین، فرنگی محل کے علماء، صوفیا اور اکابرین کی موجودگی میں متفقہ طور پر بھی طے پایا کہ درگاہ کے سجادہ کے لئے جو ابتداء سے رسم جاری تھی کہ سجادہ درگاہ سے باہر نہیں جاتا تھا آئندہ حالات کے پیشِ نظر ترک کی جائے اور حضرت خلیل الرحمٰن صاحب کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ ضرورتاً جہاں جانا چاہیں بلا تکلف جائیں۔ اس فیصلے کے بعد حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ لکھنو کے باہر بھی سفر فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم درگاہ شریف میں جناب قاضی میر محمد صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد درسِ نظامی کی تکمیل مدرسہ بحر العلوم' فرنگی محل' لکھنو سے کی۔ فارسی کی تعلیم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے جناب قاضی میر محمدؐ صاحبؒ اور حضرت بھیاجی صاحبؒ سجادہ نشین درگاہ رحمانیہ' یحییٰ گنج سے استفادہ حاصل کیا۔ تکمیل الطب کالج' لکھنو سے طب کی تکمیل کی اور سند حاصل کی۔

علم طریقت میں شروع سے ہی اپنے والد ماجد حضرت شاہ عزیز الرحمٰن صاحب سے فیض یاب ہوئے تھے۔ اور اُن کی حیات ہی میں درگاہ کی جملہ ذمہ داریاں سنبھال لیں تھیں۔ جنہیں آپ نے بڑے حسن و خوبی سے انجام دیا۔ آپ مفلس و نادار مریضوں کا علاج مفت کیا کرتے تھے اور باوجود طب کی مہارت کے آپ نے حکمت کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔

درگاہ رحمانیہ میں کوئی ذریعہ مُستقل آمدنی کا نہیں ہے اس لیے آپ نے اپنے صاحبزادوں کو ذریعہ معاش کے حصول کے لئے مختلف کاروبار میں لگایا۔ یہاں تک کہ اپنے جانشین حضرت شاہ قاری عتیق الرحمٰن صاحب کو شعبہ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قرأت کی معلّمی کے لئے بھیج دیا۔ درگاہ کی قدیم روایت تھی کہ صاحب سجادہ درگاہ سے باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ آپ نے اپنے ورثا کو اس پابندی سے آزاد کر دیا۔

آپ فرماتے تھے کہ "دستِ خود دہانِ خود" یعنی اپنے لئے روزی اپنی محنت اور مشقت سے حاصل کرو۔

حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ انتہائی خلیق اور مشفق بزرگ تھے۔ اپنے مریدوں اور متعلقین سے ازحد خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ آپ کی پدرانہ محبت و شفقت ہر خاص و عام کو متاثر کرتی تھی۔ آپ کے رعب و دبدہ کا لوگوں پر اثر ہوتا تھا۔ آپ اپنے مریدوں اور خواص و عوام کی فکر و پریشانی رفع کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

ایک معتقد خاتون کو آخرت کی ہر وقت فکر رہتی تھی اور خوفِ الٰہی اور اپنی گنہ گاری کے احساس سے سخت پریشان رہا کرتی تھیں۔ انہوں اپنی پریشانی کا حال حضرتؒ کو بتایا اور درخواست کی کہ عمل ایسا بتادیجئے کہ پریشانی کم ہو جائے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے خیال سے کسی وقت غافل نہ ہونا چاہیئے۔ اٹھتے بیٹھتے کام کرتے ہوئے ہر حال میں اللہ کا ذکر جاری رکھنا چاہیئے۔ اُن خاتون کو اس وقت سے سکون حاصل ہوا اور اُن کی بے چینی جاتی رہی۔

درگاہ میں معتقدین اور مریدوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی آپ اُن کو نصیحت و تلقین فرماتے تھے۔ اور وہ آپ کے فیوض اور برکات سے فیض حاصل کرتے تھے۔

آپ کی طبیعت میں قناعت پسندی بہت تھی۔ آپ دوسروں کو بھی صبر و قناعت کی تلقین فرماتے تھے۔ عاجزی اور انکساری میں آپ کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔

آپ کی زندگی سادگی اور مفلسی سے عبارت ہے۔ لباس بھی آپ کا سادہ ہوتا تھا گرمی کے موسم میں اکثر پُرانی بنیان اور پُرانی تہد پہنتے تھے۔ مہمان نوازی ہر شخص کی اس طرح کرتے تھے کہ مہمان اپنے کو خاص اور ممتاز سمجھتا تھا۔ مہمان نوازی میں بھی آپ کی محبت اور شفقت نظر آتی تھی۔

کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد ۵/ مئی ۱۹۸۴ء کو سہ پہر کے وقت حضرت شاہ

خلیل الرحمٰن صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہِ وانا الیہِ راجعون۔ ۶ر مئی کو اندرون درگاہ تدفین عمل میں آئی۔ ۲۸ر مئی کو بروز دوشنبہ فاتحہ چہلم ہوئی۔

حضرت شاہ خلیل الرحمٰنؒ کے خلفاء کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔	حضرت قاری شاہ عتیق الرحمٰن صاحبؒ	سجادہ نشین لکھنو
۲۔	حضرت عبدالوحید صاحب	
۳۔	حضرت حاجی خدا بخش صاحب رحمانی	رائے بریلی
۴۔	حضرت مولوی محمد جمیل احمد صاحب	احمد آباد
۵۔	حضرت عبدالصمد صاحب	فرخ آباد
۶۔	حضرت مولوی عبدالقادر صاحب	گوپال گنج، بہار
۷۔	حضرت محمد شبیر صاحب	فرخ آباد
۸۔	حضرت مصطفےٰ علی خانصاحب	فرخ آباد
۹۔	اسدالرحمٰن بچھرایونی	ساکن حال 'نیویارک' امریکہ

جناب عبدالوحید صاحب تمام خلفاء میں سب سے ممتاز تھے۔ آپ انتہائی عقیدت مند تھے اور درگاہ کے خادم خاص تھے۔ آستانہ شریف کی بہت خدمت کی۔ عرس کا انتظام اور محفل کی ذمہ داری انتہائی حسن وخوبی سے انجام دیتے تھے۔

حضرت شاہ قاری عتیق الرحمٰن صاحب

حضرت شاہ قاری عتیق الرحمٰن صاحب اپنے والدِ ماجد حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحب سے ۱۹۷۵ء میں مرید ہوئے۔ اُن کی توجہ جناب قاری صاحب پر ہوئی۔ ۱۹۷۸ء میں عرس شریف کے موقع پر ۶ر ذیقعد کو غسل کے بعد اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا۔ جناب قاری صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں تجوید کے استاد ہیں۔ علم طریقت میں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحبؒ سے فیض حاصل کیا ہے۔ سجادگی کے تمام فرائض آپ انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں اور درگاہ کی روایات کو قائم رکھتے ہیں۔ ہر عرس کے موقع پر درگاہ شریف میں پہلے سے آکر انتظام کرتے ہیں۔

ضمیمہ

(۱)

بہ سلسلہ حضرت مرزا خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ

شاہ محمد بخش صاحب سجادہ نشین کے دست حق پرست پر مہونہ اور اس کے نواح میں کثیر تعداد میں لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ حضرت مرزا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے خلیفہ شاہ غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مہونہ چھوڑ کر لکھنو میں سکونت اختیار کی اوّل قصای پاڑہ کی ایک مسجد میں قیام کیا۔ وہاں کے لوگوں نے مزاحمت کی اور آپ کو مسجد سے اُٹھنے پر مجبور کیا لیکن آپ نے حرکت نہیں کی، تب گوشہ مسجد کی دیوار چنوادی۔ آپ پھر بھی وہیں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد یحییٰ گنج سے لوگ آئے اور شاہ صاحب کو بہ منت اپنے ساتھ لے گئے۔ یحییٰ گنج میں خام بے مرمت مسجد میں آکر قیام فرمایا۔ بعد کو مسجد کو پختہ کراویا گیا۔ اور اس سے ملحق زنانہ مکان تیار ہوا۔ چنانچہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء سے آخر وقت تک چوبیس برس اس احاطے میں قیام رہا، اور بزرگوں کی سنت کے مطابق سال میں صرف تین مرتبہ باہر تشریف لے جاتے تھے۔ ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں انتقال فرمایا۔ اور آپ کے جانشین شاہ محمد عمر صاحب رحمتہ اللہ ہوئے جن کے ترک و توکل کی عام شہرت تھی آپ کے خلفاء میں نیازی بیگ و منعم بیگ صاحبان بھاکا مئو ضلع لکھنو اور مسیح الزماں و مقبول الزماں صاحبان لشکر گوالیار میں ہوئے۔ آپ کے فیوض کا دائرہ وسیع تھا اور خدا کے فضل سے یہ سلسلہ اب تک قائم ہے۔ آپ کے جانشین محمد حسن صاحب عرف بھیا صاحب علم و فضل میں شہرت رکھتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے مسلک پر پینتیس سال سے خدمت خلق میں مشغول ہیں۔ حضرت مرزا صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور اس خانوادہ کے تفصیلی حالات کتاب چشمۂ رحمٰن میں مرقوم ہیں۔

(۲)

بہ سلسلہ حضرت شاہ حسین بخش صاحب فرخ آبادی

شاہ طالب حسین صاحبؒ نے اپنا جانشین حضرت فرخند علی شاہ عرف پھندن میاں صاحبؒ کو بنایا۔ حضرت پھندن میاں صاحبؒ حضرت شاہ عبد الرزّاق صاحب بانسویؒ کے خاندان سے ہیں۔ آپ حسنی و حسینی سید تھے۔ آپ نے اپنے زمانۂ سجادہ نشینی میں اس سلسلے کو کافی ترقی دی۔ اور آپ کے متعدد خلیفہ ہوئے۔ مگر جانشین کسی کو نہیں کیا۔ آپ کو مولانا قدس سرہ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ جب کبھی لکھنو تشریف لاتے تھے' درگاہ شریف کے حجرے میں قیام فرماتے تھے۔ گو تکلیف بھی ہوتی تھی مگر اس تکلیف کو آپ نے ہمیشہ راحت سمجھا۔ ہر چند لکھنو کے حضرات آپ سے اصرار کرتے تھے کہ یہاں تو تکلیف ہے ہم کو اپنی مہمانی کا شرف عنایت کیجئے، مگر آپ فرماتے کہ مجھ کو ہر طرح کا آرام اسی حجرے میں ہے' یہاں تک کہ درگاہ شریف کے اسی حجرے میں ۸/ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء واصِل حق ہوئے۔ آپ کے داماد جسد مبارک کو بانسہ شریف لے گئے اور وہیں حضرت سید صاحب بانسویؒ کے مکان میں مدفون ہوئے۔ ہر سال بانسہ شریف میں ۵/ رجب کو عرس ہوتا ہے۔

سلسلۂ خلافت
حضرت سیّد شاہ غلام دوست محمد بانسوی رح

حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رح قدس سرہ

حضرت سیّد شاہ غلام دوست محمد ابن سرکار بانسہ رح

حضرت صوفی شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی رح

- شاہ حسین بخش رحمانی رح، ۱۱ ربیع الاول ۱۲۱۱ھ۔ محلہ ملہویان، خانقاہ حسینیہ، فرخ آباد
  - سید نجف علی رح ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ
  - مولوی درد شاہ رح
  - سید حسین ابن سلطان رح
  - حافظ نظر بانیک رح
  - شاہ عنایت حسین رح
  - حیرت علی رح
  - شاہ اعتقاد رح
  - عظمت علی شاہ
  - سید شاہ احمد علی بانسوی رح
  - ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ
  - مولانا شاہ طالب حسین رح
  - [illegible]
  - حضرت سید شاہ فرخند علی
- شاہ فتح علی میاں سجادہ نشین رح
  - منشی عزیز اللہ صفی پوری
  - شاہ رحمٰن بخش سجادہ نشین
    - شاہ عزیز الرحمٰن سجادہ نشین
      - [illegible]
      - [illegible]
      - مولانا خلیل الرحمٰن سجادہ نشین
      - [illegible]
  - سکندر علی شاہ

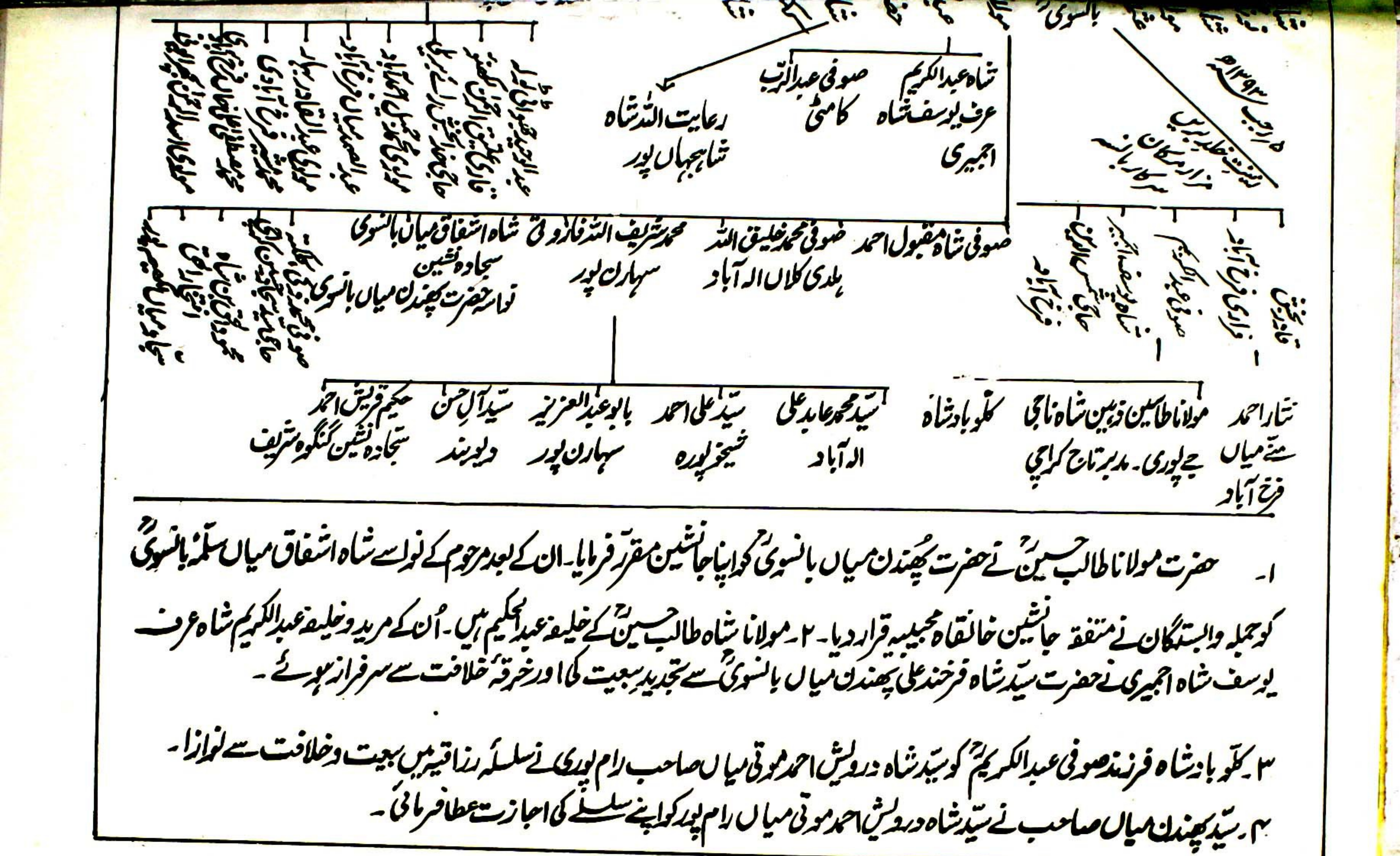

شاہ عبدالکریم عرف یوسف شاہ اجمیری — صوفی عبدالرب کامٹی — رعایت اللہ شاہ شاہجہاں پور

عبدالوحید چھوٹی ٹولہ — قاری خلیق الرحمٰن لکھنؤ — حاجی خدا بخش رائے بریلی — مولوی محمد جمیل احمد آباد — عبدالصمد میاں فرخ آباد — مولوی عبدالقادر بہار — محمد بشیر فرخ آبادی — محمد مصطفیٰ علی خاں فرخ آبادی — مولوی اسد الرحمٰن

صوفی شاہ مقبول احمد — صوفی محمد خلیق اللہ ہلدی کلاں الہ آباد — محمد شریف اللہ فاروقی سہارن پور — شاہ اشفاق میاں بانسوی سجادہ نشین نواسہ حضرت پھندن میاں بانسوی

صوفی محمد حنیف کلکتہ — حاجی حبیب الرحمٰن کراچی — محمود الحسن شاہ — انتخاب الحق — سجادہ میاں

۵ رجب ۱۳۹۳ھ

قادر بخش — قاری فرخ آباد — صوفی عبدالکریم — شاہ یوسف اجمیری — حاجی شمس الدین فرخ آباد

ستار احمد عرف میاں فرخ آباد — مولانا طاسین ذہین شاہ تاجی جے پوری۔ مدیر تاج کراچی — کلو بادشاہ — سید محمد عابد علی الہ آباد — سید علی احمد شیخوپورہ — بابو عبدالعزیز سہارن پور — سید آل حسن دیوبند — حکیم قریش احمد سجادہ نشین گنگوہ شریف

۱۔ حضرت مولانا طالب حسینؒ نے حضرت پھندن میاں بانسویؒ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ ان کے بعد مرحوم کے نواسے شاہ اشفاق میاں سلمہٗ بانسویؒ کو جملہ وابستگان نے متفقہ جانشین خانقاہ مجیبیہ قرار دیا۔ ۲۔ مولانا شاہ طالب حسینؒ کے خلیفہ عبدالحکیم ہیں۔ اُن کے مرید و خلیفہ عبدالکریم شاہ عرف یوسف شاہ اجمیری نے حضرت سید شاہ فرخند علی پھندن میاں بانسویؒ سے تجدیدِ بیعت کی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

۳۔ کلو بادشاہ فرزند صوفی عبدالکریمؒ کو سید شاہ درویش احمد موتی میاں صاحب رام پوری نے سلسلۂ رزاقیہ میں بیعت و خلافت سے نوازا۔

۴۔ سید پھندن میاں صاحب نے سید شاہ درویش احمد موتی میاں رام پور کو اپنے سلسلے کی اجازت عطا فرمائی۔

84